www.KitaboSunnat.com

محمد اسلم صدیق☆

قراءاتِ شاذہ اور ثبوتِ قرآن کا ضابطہ

مقالہ نگار مولانا محمد اسلم صدیق، جو جامعہ لاہور الاسلامیہ، کلیة الشریعة کے فاضل ہیں، نے چند سال قبل شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب سے علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹر حافظ محمد عبداللہ حفظہ اللہ کی زیر نگرانی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالہ کا عنوان 'قراءات شاذہ اور ان کے تفسیر و فقہ پر اثرات' تھا۔ بہترین مقالہ ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی نے اسے بعدازاں کتابی صورت میں طبع کروا دیا۔

زیر نظر مضمون اسی مقالہ کی بعض فصلوں کا انتخاب ہے جن میں فاضل مقالہ نگار نے 'ثبوت قرآن کا ضابطہ اور قراءاتِ متواترہ و شاذہ کے مابین حدِ فاصل' پر تفصیلاً بحث کی ہے۔ ہم اس بحث کو قارئین رُشد کے سامنے اس احساس کے تحت پیش کر رہے ہیں کہ کتب احادیث و تفسیر میں موجود صحیح السند 'قراءات شاذہ' کی تلاوت اور انہیں بطورِ قرآن قبول کرنے میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف معلوم کیا جاسکے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ صحتِ سند سے ثابت ہونے کے باوجود بھی سلف صالحین انہیں بطورِ قرآن قبول کیوں نہیں کرتے؟ [ادارہ]

کسی قراءۃ کو متواترہ یا شاذہ قرار دینا اس لحاظ سے ایک اہم، دقیق اور حساس مسئلہ ہے کہ اس کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ ہے۔ قراءات کی تقسیم کی بنیاد پر ہی یہ فیصلہ ہوگا کہ قراءۃ کی کونسی قسم قرآن ہے اور کونسی قسم قرآن نہیں ہے۔ کس قراءۃ کی تلاوت جائز اور کس کی تلاوت جائز نہیں' کون سی وہ قراءات ہیں جو عرضۂ اَخیرہ کے وقت باقی رکھی گئیں اور کونسی وہ قراءات ہیں جن کی تلاوت منسوخ کر دی گئی؟ یہ فیصلہ کرنے کے لئے نقل وروایت اور سلف صالحین کی تقلید و اِتباع ضروری ہے۔ اگر اس سلسلہ میں ہم اَئمۂ قراء اور علماءِ سلف کی آراء اور نصوص شرعیہ سے بے نیاز ہوکر اِجتہاد کی وادی پرخار میں قدم رکھنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً آوارگی کے خارستان میں اُلجھ کر رہ جائیں گے، جس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ گمراہی کے اس خطرہ سے اُمت کو بچانے کے لئے نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں اَئمۂ قراء نے آغاز سے ہی اَیسے ضوابط اُصولیہ اور معیارات قائم کر دیئے تھے جن کی بنیاد پر اُنہوں نے قراءاتِ شاذہ کو قراءاتِ متواترہ سے ہمیشہ کے لئے الگ کر دیا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمت کو فتنہ اور گمراہی سے بچانے کے لئے ایک اَہم کردار اَدا کیا۔ اُنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجماع سے تمام وہ قراءات جو عرضۂ اَخیرہ کے وقت باقی رکھی گئیں تھیں، انہیں الگ ایک رسم کے تحت مصاحف کی شکل میں جمع کر دیا اور ان تمام قراءات کو الگ کر دیا جو عرضۂ اَخیرہ کے وقت یا اس سے پہلے منسوخ کر دی گئیں تھیں یا وہ تفسیری کلمات جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مصاحف کے حواشی میں درج کر

☆ ایم فل، شیخ زاید سنٹر، پنجاب یونیورسٹی ...... فاضل کلیة الشریعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھے تھے۔ پھر اُنہوں نے یہ مصاحف ماہرین قراءۃِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مختلف علاقوں میں بھیج دیئے اور باقی تمام مصاحف کو جلانے کا حکم دے کر اس فتنہ کا دَروازہ بند کر دیا۔ ①

اِس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کا ایک جم غفیر جب ان قراءات کو سیکھ کر اپنے علاقوں میں پہنچا تو ان سے سیکھنے والے ظاہر ہے کہ عدل وثقاہت اور حفظ واتقان میں ایک جیسے نہیں تھے۔ بعض جو عدالت وحفظ کے اس معیار پر نہ تھے اُنہوں نے بعض قراءاتِ شاذہ اور ضعیفہ کو قرآن سے ملانا شروع کر دیا' بعض نے اجماعِ اُمت سے ہٹ کر اپنے اپنے معیار بنا لئے تو ایک دفعہ پھر اختلافِ اُمت کا خطرہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ، جس نے حفاظت قرآن کا ذِمہ خود اٹھایا ہے، اُمت میں ایسے ائمہ عظام پیدا کیے جنہوں نے قرآن کو غیر قرآن سے الگ کرنے اور قراءاتِ متواترہ کو قراءاتِ شاذہ سے ممتاز کرنے کے لئے گہرے غور وخوض اور دقت نظری کے بعد چند ضوابط اصولیہ اور معیارات مقرر کر دیئے۔ جن کے اسباب وعوامل کا تذکرہ ہم ابن جزری رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں۔

[النشر في القراءات العشر : ۹/۱]

یہ ضوابط تنقیح وارتقا کے مختلف مراحل سے گزر کر آخر کار سلف وخلف کے بذریعہ متفق علیہ معیار قرار پائے۔ ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ سے لے کر امام ابن الجزری رحمہ اللہ تک متعدد ائمہ نے ان ضوابط کا تذکرہ کیا، کسی نے ان ضوابط کی تشریح کر دی، کسی نے ویسے ہی نقل کر دیا، کسی نے ان پر تنقید کی اور کسی نے مزید وضاحت سے بیان کر دیا② اور امام سیوطی رحمہ اللہ کے بقول جس شخص نے اس سلسلہ میں سب سے خوبصورت اور عمدہ تحقیق پیش کی ہے، وہ اپنے دور کے امام القراء اور شیخ الشیوخ ابو الخیر ابن الجزری رحمہ اللہ ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے، ضوابط کے سلسلہ میں انہیں کے کلام کو یہاں پیش کر دیا جائے وہ فرماتے ہیں:

”كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالا وصح سندها (وتواتر نقلها، هذه القراءة المتواترة المقطوع بها) [منجد المقرئين: ص ۱۵] فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها بل هي من الأحرف السبعة التي نزل

① چنانچہ امام دانیؒ فرماتے ہیں:
أن امير المؤمنين عثمان ومن بالحضرة من جميع الصحابة ... طرحوا حروفا وقراءات باطلة غير معروفة ولا ثابتة بل منقولة عن الرسول ﷺ نقل الأحاديث التي لا يجوز إثبات قرآن وقراءات بها [الأحرف السبعة للقرآن ۶۱، تحقيق، عبد المهيمن طحان]

② واضح رہے کہ یہ ضوابط متاخرین کی ایجاد نہیں ہیں' بلکہ یہ ضوابط اس وقت سے موجود ہیں' جب صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کو سیکھا تھا۔ اور صحۃ الروایۃ اور رسم سے موافقت کا معیار اس وقت بھی موجود تھا' جب دورِ عثمانی میں مصاحف تحریر کر کے قراء صحابہ کی معیت میں مختلف علاقوں میں ارسال کیے گئے تھے اور یہ اس وقت سے ہیں جب نہ عربی زبان کے قواعد وضع ہوئے تھے اور نہ باقاعدہ کتب کے اندر تدوین قراءات کا آغاز ہوا تھا۔
جب ہم تاریخ کے تناظر میں جھانکتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں واضح طور پر اس طرح کے ضوابط کا تذکرہ ابو عبید قاسم بن سلامؒ کے ہاں ملتا ہے۔ جس کا ذکر ابن الانباریؒ نے اپنی کتاب [إيضاح الوقف والابتداء: ۳۱۱/۱] میں کیا ہے۔
(دیکھئے: رسم المصحف، ص۶۳۲، دراسة لغوية، تاريخية، غانم قدروي الحمد)
اس کے بعد ابن جریرؒ طبری (ت ۳۱۰ھ) کے ہاں ملتا ہے (الإبانة ص ۶۰، منقول از کتاب القراءات طبری) پھر ابن خالویہ رحمہ اللہ (ت ۳۷۰ھ) نے اپنی کتاب 'القراءات' میں، اس کے بعد مکی بن ابی طالب القیسی (ت ۴۳۷ھ) نے [الإبانة ص ۱۰، ۱۰۳، ۱۳۹] میں اور اس کے بعد ابو العباس احمد بن عمار المہدوی نے کیا ہے۔ [دیکھئے، النشر: ۱/ ۹] اس کے بعد ابو عمرو الدانی (ت ۴۴۴ھ) نے [النشر ۹/۱]، اس کے بعد ابی شامہ المقدسی (ت ۶۶۵ھ) نے، اس کے بعد الکواشی الموصلی (۶۸۰ھ) نے' اس کے بعد ابن الجزری (۸۳۳ھ) وغیرہ نے اس ضابطہ کا ذکر کیا ہے۔ [دیکھئے: النشر ۹/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بها القرآن ووجب على الناس قبولها ... هذا هو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف... وهو مذهب السلف الذي لا يعرف عن أحد منهم خلافه . "[النشر: ۹/۱]

''ہر وہ قراءات جو لغت عربی کی کسی وجہ سے موافق ہو' مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو(اور وہ موافقت خواہ حقیقی ہو یا تقدیری) اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیح ہے۔'' (وہ بذریعہ تواتر منقول ہو تو یہ قراءت متواتر اور قطعی ہے) اس کا انکار جائز نہیں، بلکہ یہ حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا تھا' لوگوں پر اس کو قبول کرنا واجب ہے.....اور جب کسی قراءۃ میں مذکورہ تین ارکان میں سے کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا تو اس قراءۃ پر ضعیفہ' شاذہ یا باطلہ کا اطلاق ہوگا۔ یہی مذہب سلف وخلف ائمہ تحقیق کے نزدیک صحیح ہے۔اس کی وضاحت امام دانی رحمہ اللہ، مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ ابن عمار المہدوی رحمہ اللہ اور ابو شامہ رحمہ اللہ نے کی ہے اور یہی سلف کا مذہب ہے۔ان میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔

مذکورہ تین ارکان کو ابن جزری رحمہ اللہ نے شعری زبان میں اس طرح بیان کیا ہے:

فكل ما وافق وجه نحوى وكان للرسم احتمالاً يحوي
وصح إسنادا هو القرآن وهذه الثلاثة الأركان
وحيثما يختل ركن أثبت شذوذه لو أنه في السبعة

[متن طيبة النشر لابن الجزري: ص ۳]

''ہر وہ قراءات جو کسی نحوی وجہ کے مطابق ہو، رسم مصحف اس کا متحمل ہو اور وہ سند کے لحاظ سے صحیح ہو تو وہ قرآن ہے اور قراءات کو پرکھنے کے لئے یہ تین ارکان ہیں۔جس قراءت میں کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا ' اس کا شذوذ ظاہر ہو جائے گا۔''

یہ وہ معیار ہے جو ائمہ قراء نے قراءات شاذہ کو متواترہ سے الگ کرنے کے لئے قائم کیا ہے کہ جس قراءات میں ان تین ارکان میں سے کوئی ایک بھی ناپید ہوگا' اسے شاذ قرار دیا جائے گا۔

مذکورہ تین ارکان کی تشریح

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قراءات شاذہ کو معلوم کرنے کا معیار مذکورہ تین ارکان ہیں۔ان ارکان کی اس اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان ارکان کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے، تاکہ شاذہ کو پہنچاننے میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

پہلا رکن: مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ موافقت [1]

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف نقل کر کے مختلف علاقوں میں قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں بھیجے تھے' وہ قراءۃ ان میں سے کسی ایک کے رسم کے مطابق ہو۔اور یہ مطابقت حقیقی طور پر بھی ہوسکتی ہے اور احتمالی وتقدیری طور پر بھی ہوسکتی ہے۔

[1] اور یہ شرط متاخرین کی خودساختہ وپرداختہ نہیں، بلکہ اس کی پشت پر ایک مضبوط بنیاد ہے' وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کے مشورہ سے جب تمام امت کو ایک رسم پر جمع کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا کہ مصاحف کا رسم ان تمام حروف پر مشتمل ہو جو عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رکھے گئے تھے،اسی وجہ سے ہی تو مصاحف کے درمیان بعض الفاظ کے رسم میں اختلاف تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ رسم عثمانی اس قراءت کا متحمل ہو، کیونکہ سبعہ اَحرف کی رعایت کی وجہ سے مصاحف عثمانیہ کے رسم میں بعض جگہ اختلاف تھا۔①

موافقتِ حقیقی کی مثال: سورۃ توبہ میں ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءۃ: ﴿ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ﴾ [التوبۃ: ۱۰۰] من کے اضافہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ اس مصحف میں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ کی طرف بھیجا تھا۔

اسی طرح سورۃ بقرہ میں نافع رحمہ اللہ، ابن عامر رحمہ اللہ اور ابوجعفر رحمہ اللہ کی قراءۃ: ﴿ وَ وَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ﴾ [البقرۃ: ۱۳۲] کی بجائے 'وأوصی بها' ہے اور یہ قراءۃ مصحف شامی اور مصحف مدنی کے مطابق ہے، اور باقی قراء کی قراءۃ ﴿وَوَصّٰى بِهَا﴾ ہے اور یہ اس مصحف کے مطابق ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے رکھا تھا۔

موافقت تقدیری کی مثال: سورہ فاتحہ کی آیت: ﴿مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ﴾ [الفاتحۃ: ۴] کے لفظ 'ملك' میں دو قراءتیں ہیں؛ الف کے ساتھ یعنی مَالِكِ اور الف کے بغیر، یعنی مَلِكِ، لیکن یہ لفظ تمام مصاحف عثمانیہ میں الف کے بغیر لکھا ہوا ہے۔ اب اس میں مَلِك کی قراءۃ تو رسم عثمانی کے ساتھ واضح اور حقیقی طور پر موافق ہے، جبکہ مَالِكِ کی قراءت تقدیری طور پر موافق ہے۔

چنانچہ جو قراءۃ ان مصاحف میں سے کسی بھی مصحف کے رسم کے مطابق نہیں ہوگی' وہ شاذ تصور ہوگی، خواہ اس کی سند صحیح ہو اور وہ کسی عربی وجہ کے مطابق ہو۔

مثلاً: ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ ﴾ [النساء: ۳۴]

اس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن مطرف کی قراءۃ: 'فالصوالح قوانت حوافظ للغیب' ہے چونکہ کسی بھی مصحف کا رسم اس کا متحمل نہیں ہے، لہٰذا یہ قراءت شاذ ہے۔

[دیکھئے: الكشاف: ۵۲۴/۱، معاني الفراء: ۲۶۵/۱، تفسير الرازي: ۸۸/۱۰، المحتسب: ۲۸۸/۱]

اسی طرح سورۃ بقرہ کی آیت: ﴿ وَ اِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَ اِسۡمٰعِيۡلُ رَبَّنَا ﴾ [البقرۃ: ۱۲۷] ابن مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ آیت اس طرح ہے: 'وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت ويقولون ربنا'② یہ بھی رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ اسی

---

① ڈاکٹر محمد سالم محیسن نے اپنی کتاب في رحاب القرآن الكريم میں نہایت دقت نظری سے تمام مصاحف عثمانیہ کے تقابل کے بعد ان کے رسم میں باہمی اختلاف کا ایک خاکہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے مصحف عثمانی کے رسم کا مصحف مدنی کے ساتھ ۱۲الفاظ میں اختلاف ذکر کیا ہے، اسی طرح مصحف عثمانی کا مصحف حجازی، شامی اور عراقی سے ۱۰ الفاظ میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ [في رحاب القرآن الكريم: ص ۱۹۴۰۷]

اسی طرح امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'فضائل القرآن' میں وہ زائد حروف جو رسم عثمانی کے مخالف ہیں، کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، اس میں انہوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی قراءات میں سے ایسی سو (۱۰۰) روایات ذکر کی ہیں جو رسم مصحف سے خارج ہیں۔ بعض روایات میں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ہے اور بعض میں کوئی لفظ زائد ہے۔ مثلاً سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی قراءت ﴿ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ﴾ کی بجائے 'کالصوف المنفوش' ہے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: "أن تبتغوا فضلا من ربكم في مواسم الحج" ہے۔ اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءاۃ "والصلوة الوسطى صلوة العصر" اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءۃ "يأخذ كل سفينة صالحة غصبا".
[فضائل القرآن ومعالمه وآدابه: ۱۰۵/۲، ۱۴۵] یہ تمام قراءات رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذہ قرار پائیں گی، کیونکہ یہ شرط اسی وجہ سے ہی قائم کی گئی تھی کہ اخبار آحاد اور قراءات شاذہ، قراءات متواترہ سے الگ ہوجائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالہادی فضلی فرماتے ہیں:
"إن اشتراط مطابقة لمصاحف الأئمة كان وقاية من دخول القراءات الآحادية والشاذة في إطار القراءات المتواترة التي تجوز القراءة بها." [القراءات القرآنية: ص ۱۱۴]

② اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءۃ بھی اسی طرح ہے۔ دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن: ۱۲۶/۲، البحر المحيط لأبي حيان: ۳۸۸/۱

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ﴿وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ [ھود: ۱۶] اس میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ 'وباطلا ما کانوا یعملون' ہے۔ یہ بھی خلافِ رسم ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

[دیکھئے: المحتسب: ۳۲۲/۱، إعراب القرآن للنحاس: ۲۵۴/۱، البحر المحیط: ۲۱۰/۵]

ابوبکر الانباری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اجتمع القراء علی ترك كل قراءة مخالف المصحف .

[البحر المحیط: ۲۶/۷]

''تمام ائمہ قراء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ قراءۃ متروک (شاذ) قرار پائے گی جو رسم عثمانی کے مخالف ہوگی۔''

چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے اس سلسلہ میں مصاحف عثمانیہ کے مخالف جتنے بھی حروف مروی ہیں' وہ تمام کے تمام شاذ قرار پائیں گے۔

دوسرا رکن: عربی وجہ کے ساتھ موافقت [1]

دوسرا رکن جو قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے الگ کرنے کے لئے ائمہ قراء نے شرط قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ قراءۃ کسی عربی وجہ کے موافق ہو، یعنی وہ قراءۃ کسی فصیح یا فصیح ترین نحوی وجہ کے مطابق ہو، خواہ وہ نحویوں کے ہاں متفق علیہ ہو یا اختلافی ہو، لیکن ایک شرط ہے کہ وہ قراءۃ تواتر سے ثابت ہو اور ائمہ قراء کے نزدیک اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو۔ اور رسم عثمانی اس کا متحمل ہو تو اس صورت میں ضعیف نحوی وجہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بنیادی رکن تو یہی دو ہیں۔ مثلاً امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ ﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ﴾ اس میں لفظ 'الأرحام' جری حالت کے ساتھ ہے اور یہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق بہٖ کی ضمیر مجرور پر عطف ہے، یا بصریوں کے مذہب کے مطابق حرف جار کو دوبارہ لوٹایا گیا ہے، لیکن معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ یا أرحام کی تعظیم اور صلہ رحمی کی ترغیب دینے کیلئے قسم کی بناء پر زیر دی گئی ہے۔ تو یہاں امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ میں دونوں وجہیں لغت کے اعتبار سے درست ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی قراءات کا تواتر سے ثابت ہونا ہی اصل بنیاد اور مضبوط رکن ہے اس کی موجودگی میں عربی لغت کا کوئی قاعدہ اور قانون کسی قراءۃ کو رد نہیں کر سکتا۔

- امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأئمة القراءة لا تعمد في شيء من حروف القرآن على الأفشى في اللغة وأقيس في العربية بل على الأثبت في الأثر والأصح في النقل والرواية لأن القراءة سنة متبعة يلزم قبولها والمصير إليها . [2] [جامع البیان في القراءات السبع: ق۱۷۷/ ب]

---

① ضابطہ کا یہ رکن بھی پہلی صدی ہجری سے ماخوذ ہے، ابن الانباریؒ نے اپنی کتاب 'نزھة الباري' میں واقعہ نقل کیا ہے کہ دور فاروقیؓ میں ایک اعرابی کو کسی نے سورۃ براءت کی یہ آیت: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ ﴾ لفظ 'رسوله' کے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا دی تو اس نے کہا! کیا اللہ اپنے رسولؐ سے بری ہے؟ اگر ایسے ہے تو مجھے بدرجہ اولیٰ ان سے بری ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے اعرابی کو بلایا اور اسے صحیح قراءۃ پر پڑھایا اور اس کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ قرآن صرف وہی پڑھائے جو لغت کا عالم ہو۔ [معجم القراءات القرآنية : ص ۱۰۰، بحواله نزهة الباري: ص ۸]

② لفظ ﴿ بارئكم ﴾ کے ضمن میں، اس مخطوطہ کی فلم دار الکتب والوثائق القومية ، قسم التصوير : ۱۹۶۸ میں موجود ہے۔ اس فلم کی فوٹو کاپی المقری محمد ابراہیم صاحب میر محمدی کی لائبریری میں موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’ائمہ قراء حروف قرآن کے سلسلہ میں اس پر اعتماد نہیں کرتے کہ وہ لفظ لغوی لحاظ سے عام مستعمل ہے یا عربی قاعدہ کے زیادہ مطابق ہے، بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حرف نقل و روایت کے اعتبار سے صحیح ترین اور ثبوت کے اعلیٰ معیار پر ہو۔

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ (ت ۴۸۵ھ) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول: القراءة سنة متبعة[1] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال البيهقي: أراد (أي زيد بن ثابت) أن اتباع من قبلنا في الحروف سنة متبعة لا يجوز مخالفة المصحف الذي هو إمام، ولا مخالفة القراءات التي هي مشهورة وإن كان غير ذلك سائغا في اللغة.“

[سنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵/۲، مطبعة مجلس، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد دكن (الهند)]

’’اس سے زید بن ثابت کی مراد یہ ہے کہ حروف کے سلسلہ میں ہم سے قبل اسلاف کی اتباع سنت متبعۃ ہے مصحف عثمانی، جسے مصحف امام کی حیثیت حاصل ہے کی مخالفت جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان قراءات کی مخالفت جائز ہے جن کو قبولِ عام حاصل ہے، خواہ ان کے علاوہ دیگر قراءات لغت عربی میں زیادہ مستعمل ہوں۔‘‘

- امام ابن جزری رحمہ اللہ نے اس حقیقت کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

”إذ هو الأصل الأعظم والركن الأقوم وهذا هو المختار عند المحققين في ركن موافقة العربية، فكم من قراءة أنكرها بعض أهل النحو أو كثير منهم ولم يعتبر إنكارهم بل أجمع الأئمة المقتدى بهم من السلف على قبولها.“ [النشر: ۱۰/۱]

امام زرقانی رحمہ اللہ کا اس حوالہ سے جامع تبصرہ یہاں بیان نقل کر دینا شاید فائدہ سے خالی نہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں:

وهذا كلام وجيه فان علماء النحو إنما استمدوا قواعده من كتاب الله تعالىٰ وكلام رسوله و كلام العرب، فإذا ثبتت قرآنية القرآن بالرواية المقبولة كان القرآن هو الحكم على علماء النحو وما قعدوا من قواعد أن يراجعوهم بقواعدهم إليه لا أن نرجع نحن بالقرآن إلى قواعدهم. المخالفة نحكمها فيه وإلا كان ذلك عكسا للآية وإهمالاً للأصل في وجوب الرعاية. [مناهل العرفان في علوم القرآن: ۴۲۲/۱]

’’یہ بہت عمدہ کلام (ابن جزری اور امام دانی کے اقوال کی طرف اشارہ ہے) ہے، کیونکہ علماءِ نحو نے نحو کے قواعد کتاب اللہ، کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام عرب سے ہی تو حاصل کیے ہیں۔ جب مقبول روایت سے قرآن کی قرآنیت ثابت ہو چکی ہے تو یقیناً اسے علماءِ نحو اور ان کے قائم کردہ قواعد پر اتھارٹی کی حیثیت حاصل ہوگی اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد سمیت کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں، نہ کہ ہم ان کے قرآن کے مخالف قواعد کی طرف رجوع کریں۔‘‘

بعض لغویوں اور نحویوں نے اس شرط کی بنیاد پر بعض قراءات متواترہ کا جو انکار کیا ہے ابن جزری رحمہ اللہ نے ان لوگوں کا

---

① سنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵/۲، كتاب السبعة في القراءات: ۴۹ لابن مجاهد، اس میں ’القراءة سنة‘ کے الفاظ ہیں۔

② اسی طرح دکتور احمد مکی اپنی کتاب الدفاع عن القرآن ضد النحويين والمستشرقين میں فرماتے ہیں: ”وهى قراءة صحيحة متواترة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولكن طائفة من النحاة الطغاة سامحهم الله وقفوا مواقف المعارضة من هذه الآية الكريمة في أعلى قراءاتها وهي القراءة السبعية... فهذا أبو زكريا الفراء يحكم عليها بالبطلان وهذا أبوعلي الفارسي يحكم عليها بالقبح... وكذلك فعل الإمام ابن خالويه، حين قال: ”وهو قبيح في القرآن وإنما يجوز في الشعر.“ إلى غير ذلك من أوصاف الضعف والشذوذ والرداءة وأكثر من هذا أنهم نسبوها إلى اللحن وأنها زلة من زلات ابن عامر [حاشية المحتسب: ۱۰۵/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سخت رد کیا ہے۔[۴] [منجد المقرئین: ص ۶۴ وما بعد ھا]

چنانچہ موافقتِ عربی کی اس شرط کا مقصد بھی وہی ہے جو رسم عثمانی کی موافقت کو شرط قرار دینے کا ہے کہ کہیں کوئی قراءۃ شاذہ، متواترہ قراءات کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائے، کیونکہ کوئی بھی متواتر قراءۃ ایسی نہیں ہوسکتی جو کسی عربی وجہ کے مطابق ہو' بلکہ کسی قراءۃ کا تواتر سے ثابت ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ قراءۃ بذات خود ایک عربی وجہ اور نحوی قانون ہے۔ لہٰذا کسی نحوی یا لغوی کا اس کو قواعد نحویہ کے مخالف قرار دینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

گویا کسی قراءۃ کا تواتر سے ثابت ہونا ہی بحیثیت معیار کافی تھا۔ لیکن کسی عربی وجہ سے موافقت کی شرط بطور اطمینان اور احتیاط کے اس لئے لگائی کہ قراءات شاذہ کا قراءات متواترہ سے آمیزش کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔

اور موافقت عربی کی اس شرط کو اس لحاظ سے تو ایک ضابطہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ جو قراءۃ دیگر دوضوابط کی حامل ہوگی وہ لازماً کسی نہ کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہوگی' لہٰذا جو قراءۃ کسی بھی عربی قاعدہ کے مطابق نہ ہو تو وہ شاذ تصور ہوگی۔

چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ صحیح سند سے ثابت قراءۃ کسی نہ کسی عربی وجہ کے ضرور مطابق ہوگی' بلکہ وہ خود ایک عربی وجہ ہو گی، لیکن اگر وہ کسی بھی عربی وجہ یا نحوی قانون کے مطابق نہیں ہے تو وہ شاذ تصور ہوگی مثلاً ﴿ وَعَلَى أَبْصَٰرِهِمْ غِشَٰوَةٌ ﴾ [البقرۃ:۹] لفظ غشوۃ کو علماء قراءۃ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے تین طرح نقل کیا ہے۔ ایک غین کے پیش کے ساتھ ، دوسری غین کے زبر کے ساتھ اور تیسری عین کے پیش کے ساتھ۔ اس میں تیسری وجہ یعنی (عُشوۃ) امہات کتب لغت میں سے کسی میں بھی نہیں ہے، لہٰذا یہ لغتِ عرب کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائے گی۔

[حول القراءة الشاذة:۲۳]

اسی طرح ﴿ خُطُوٰت ﴾ [البقرة: ۱۶۸، ۲۰۸] اسے حسن بصری رحمہ اللہ نے خاء کی فتح اور طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، حالانکہ ائمہ لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خطوۃ (خاء کی فتح اور طاء کے سکون کے ساتھ) کی جمع خَطَوات؛ خاء اور طاء دونوں کے فتح کے ساتھ آتی ہے، لہٰذا یہ بھی لغت عرب کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائے گی۔[أیضا :۲۴]

اسی طرح ﴿ لا یفلح الکفرون ﴾ [المؤمنون: ۱۱۷] حسن بصری رحمہ اللہ نے اسے 'یَفْلَحْ' یعنی یاء اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، حالانکہ کتب لغت میں فلح ، أفلح کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ ایسی تمام قراءات لغتِ عربی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائیں گی۔[أیضا : ۲۵]

تیسرا رکن: صحت سند

اس سے مراد یہ ہے کہ اس قراءۃ کو روایت کرنے والے شروع سند سے لیکر رسول اللہ ﷺ تک عادل اور ضابط ہوں' اس میں کسی قسم کا شذوذ اور کوئی ایسی علت نہ ہو جو باعث جرح ہو۔[النشر:۱۳]

یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے' لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا رواۃ کے عادل اور ضابط ہونے کے ساتھ یہ کافی ہے کہ وہ قراءۃ اس فن کے ماہرین کے نزدیک اس قدر مشہور و مستفیض ہو کہ اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے اور وہ محتف بالقرائن بھی ہو یا اس کے لئے تواتر کا ہونا ضروری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام علماءِ اصول، مذاہب اَربعہ کے فقہاء، محدثین اور اکثر قراءِ کرام کا موقف یہ ہے کہ قراءتِ متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے اصل معیار تواتر ہے۔ چنانچہ امام نویری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ کہنا کہ (قراءۃ کے لئے) تواتر شرط نہیں ہے، یہ قول فقہاء و محدثین اور دیگر علما کے اجماع کے خلاف ایک خود ساختہ قول ہے، کیونکہ جمہور علماءِ مذاہب اربعہ کے نزدیک قرآن وہ ہے جو مصحف کے دوگتوں کے درمیان بذریعہ تواتر ہم تک پہنچا ہے۔ چنانچہ جس نے بھی قرآن کی تعریف کی ہے، اس نے قرآن کے لئے تواتر کو شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن حاجب رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کے لئے متواتر ہونا ضروری ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، ابن عطیہ رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، امام زرکشی رحمہ اللہ، امام سبکی رحمہ اللہ، امام اسنوی رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ علما کی اکثریت نے اسی بات کی تصریح کی ہے اور اسی بات پر قراء کا اجماع ہے۔ متاخرین ① میں سے اس کی مخالفت مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے کی ہے اور بعض دیگر نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔[شرح طيبة النشر للنويري: ١١٩/١، اتحاف فضلاء البشر: ص ٦] اس کے علاوہ امام غزالی رحمہ اللہ [المستصفى في علم الأصول: ١٩٣/١، أبوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالي (٤٥٠ھ، ٥٠٥ھ)] ابن قدامہ رحمہ اللہ [روضة الناظر وجنة مناظر: ٣٤ بمع الشرح نزهة الخاطر: ١٣٩/١، مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة] ابن حاجب رحمہ اللہ [مختصر المنتهى الأصولي: ٢٢/٢، إمام ابن حاجب المالكي، دارالكتب العلمية] اور صدر الشریعہ رحمہ اللہ [التوضيح في حل عوامض التنقيح: ٢٦/١، صدر الشريعة: عبيدالله بن مسعود بن محمود بن أحمد المحبوبي البخاري الحنفي (ت ٧٤٨ھ)] وغیرہ نے بھی تواتر کو شرط قرار دیا ہے۔''

نیز قراء کرام میں سے امام الدانی رحمہ اللہ (ت ٤٤٤ھ) امام ابو القاسم ہندی رحمہ اللہ (٤٦٥ھ) امام ابو القاسم الصفراوی رحمہ اللہ (ت ٦٣٦ھ) امام ابو الحسن السخاوی رحمہ اللہ (ت ٩٠٢ھ) اور ان کے علاوہ متعدد کبار قراء نے تواتر کو شرط قرار دیا ہے۔[شرح طيبة النشر للنويري: ١٢٢/١-١٢٩]

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وہ کتاب جو کائنات کے لئے راہبر اور صراط مستقیم اور دین قیم کی اصل بنیاد ہے اور اتنا عظیم معجزہ ہے کہ جن وانس مل کر بھی اس جیسی ایک سورۃ کیا ایک آیت بھی نہیں بنا سکتے۔ ایسی کتاب کے لئے عادتاً یہ محال ہے کہ وہ تواتر سے ثابت نہ ہو، جبکہ اس کی تمام تر تفاصیل کا بذریعہ تواتر منقول ہونے کے بے شمار اَسباب وعوامل موجود ہیں لہٰذا جو قراءۃ حدّ تواتر کو نہیں پہنچے گی' یقینی بات ہے کہ وہ شاذ تصور ہوگی اور اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔[المستصفي للغزالي: ١٩٣/١، البرهان في علوم القرآن: ٣٥٣/٢، الإتقان في علوم القرآن: ٧٧/١، علاوہ ازیں اصول کی بے شمار کتب میں اس کی تصریح موجود ہے۔]

مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ اور ابن جزری رحمہ اللہ کا موقف

مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ اور ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جمہور کے برعکس تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے جیسا کہ امام نویری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں ان کا موقف واضح طور پر بیان کردیا جائے۔

① مکی بن ابی طالب کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے' کیونکہ ان کی پیدائش ٣٥٥ھ اور وفات ٤٣٧ھ ہے لہٰذا امام نویریؒ کا انہیں متاخرین میں سے قرار دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ کا معاملہ ہے تو ان کے بارے میں ان کی صرف اس عبارت: 'القراءة الصحيحة ما صح سنده' [الإبانة:١٠٣] کی بنیاد پر یہ کہنا کہ وہ تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے، درست نہیں ہے، کیونکہ قراءۃ کے اس رکن کے سلسلہ میں ان سے مختلف الفاظ مروی ہیں، مثلاً ایک جگہ 'ما صح سندها' کے الفاظ ہیں تو ایک جگہ 'أن ينقل عن الثقات' [الإبانة: ٥٨] کے الفاظ ہیں اور ایک دوسرے مقام پر 'إجتماع العامة عليها' [الإبانة: ١٠٠] کے الفاظ ہیں۔

یہاں لفظ ثقات جو جمع ہے' اسی طرح 'اجتماع العامة عليها' جس سے ان کی مراد وہ قراءۃ ہے جس پر اہل مدینہ اور اہل کوفہ، یا جس پر اہل حرمین متفق ہوں [الإبانة: ص ١٠١] کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ قراءۃ متواترہ کے لئے صرف صحتِ سند کو کافی قرار نہیں دیتے، نیز ان کی درج ذیل عبارت ان کے موقف کو مزید واضح کرتی ہے:

ما صح نقله في الآحاد... فهذا يقبل ولا يقرأ به لعلتين؛ إحداهما: أنه لم يؤخذ بإجماع، إنما أخذ بأخبار الآحاد ولا يثبت قرآن يقرأ به بخبر الواحد. [الإبانة: ٥٨]

''جو قراءۃ بذریعہ اخبار آحاد صحیح سند سے منقول ہو... تو ایسی قراءۃ کو قبول تو کیا جائے گا، لیکن دو وجوہات کی بناء پر اس کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ ایک یہ کہ وہ بذریعہ اجماع منقول نہیں ہے، بلکہ اخبار آحاد کے ذریعہ سے منقول ہے اور قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوسکتا۔''

یہاں اِجماع کے مقابلہ میں اخبار آحاد کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ صرف صحت سند کو کافی قرار نہیں دیتے، بلکہ ان کی اس سلسلہ میں ساری بحث کے تناظر میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قراءات متواترہ کے لئے تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک محقق ابن جزری رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو ان کا مؤقف یہ ہے کہ قراءت متواترہ کی ہر ہر وجہ کے لئے تواتر سندی شرط نہیں ہے، بلکہ اگر وہ قراءۃ اس فن کے ماہرین کے نزدیک مشہور و مستفیض ہو اور ائمہ کے نزدیک اسے قبول عام کا درجہ حاصل ہو جائے اور ساتھ وہ رسم عثمانی اور لغت عربی کے موافق بھی ہو تو یہ بھی قوت میں متواتر کی طرح قطعی اور یقینی ہوگی اگرچہ وہ تواتر (سندی) کی حد کو نہ بھی پہنچے۔

[لمنجد المقرئين: ١٦، النشر في القراءات العشر:١٣]

ابن جزری رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے:

1. اگر کوئی قراءۃ تواتر سے ثابت ہو جاتی ہے تو وہ قطعی طور پر قرآن ہے اور اسے قبول کرنا واجب ہے خواہ رسم عثمانی اور لغت عربی کے موافق ہو یا مخالف' گویا اس صورت میں دیگر دو ارکان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔
2. دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم ہر اختلافی وجہ قراءۃ میں تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں تو متعدد ایسی اختلافی وجوہ خارج ہو جائیں گی جو ائمہ سبع اور دیگر ائمہ سے ثابت ہیں۔ [النشر:١٣]

اگر اس ساری بحث کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ اختلاف محض لفظی معلوم ہوتا ہے اور در حقیقت جمہور اور ابن جزریؒ کے موقف میں نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

① اور من حیث المجموع قرآن اور قراءات عشرہ قطعی اور تواتر سے ثابت ہیں، کیونکہ ان کی نقل و روایت کا اصل انحصار صحیفوں اور اوراق میں رقم کرنے کے علاوہ دلوں اور سینوں میں محفوظ کرنے پر ہے اور قرآن اور قراءات متواترہ کے حفاظین کی تعداد ہر دور میں اس قدر رہی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے قراءات عشرہ کے متواتر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درحقیقت فقہاء ومحدثین نے قرآن یا ثبوت قراءۃ کیلئے تواتر سندی کی شرط لگائی ہے تو وہ قرآن کے مجموع[1] کے اعتبار سے ہے، وگرنہ اگر تمام اختلافی وجوہ کے ہر ہر فرد اور ہر ہر ادا کے لئے تواتر کو شرط قرار دیا جائے تو بہت سی اختلافی وجوہ کو رد کرنا پڑے گا، حالانکہ ان میں سے بعض ائمہ سبعہ سے منقول ہیں' اور وہ جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک بھی متواترہ ہیں۔ امام قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کی صراحت کی ہے۔

[تفسیر القاسمي: ۲۹۶/۱]

لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ بعض قراء نے ضابطہ قراءات میں موافقت رسم عثمانی اور لغت عرب کے ساتھ صرف مشہور ومستفیض اور تلقی بالقبول کو ہی کیوں کافی قرار دیا ہے، تواتر کی شرط کیوں نہیں لگائی، حالانکہ قرآنیت کے ثبوت کے لئے تواتر کا ہونا ضروری ہے؟

درحقیقت ہر ہر اختلافی وجہ کے لئے تواتر کی شرط لگانا یہ جمہور کا مذہب نہیں ہے، بلکہ یہ بعض متاخرین کا مذہب ہے، جیسا کہ ابن جزری رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے، ورنہ ابن جزری ائمہ فقہاء کی قرآن کی تعریف میں شرط تواتر کی واضح تصریحات کے باوجود اسے بعض متاخرین کا مذہب کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ اور امام نویری رحمہ اللہ نے جو تواتر کو شرط قرار نہ دینے والوں کا رد کیا ہے تو انہوں نے دراصل ان حضرات کا رد کیا ہے جو صرف صحت سند کو کافی قرار دیتے ہیں، مشہور ومستفیض اور تلقی بالقبول کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس موقف کو انہوں نے مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے تو ہم گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ وہ بھی قرآن اور قراءات متواترہ کے لئے جمہور کی طرح تواتر کو ضروری سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ابن جزری رحمہ اللہ بھی قراءات مقبولہ کے لئے تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں' منجد المقرئین میں انہوں نے ان لوگوں کا سختی سے رد کیا ہے جو فرش کو متواتر قرار دیتے ہیں' لیکن اصول کو متواتر قرار نہیں دیتے۔ [منجد المقرئین: ص ۵۷] تو ثابت ہوا کہ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی طرح ابن جزری رحمہ اللہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

لیکن یہ سوال کہ پھر ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ ضابطہ قراءات میں باقی دو ارکان کے ساتھ تواتر کی شرط کیوں نہیں لگاتے؟ تو اس کا سبب درج ذیل وجوہات ہوسکتی ہیں:

1. ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ نے قراءات شاذہ اور متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، قرآن کی تعریف نہیں کی۔ تواتر کو قرآن کی تعریف میں کم از کم ایک شرط کے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن ضابطہ میں اسے ملحوظ نہیں رکھا گیا، کیونکہ ضوابط میں جو چیز قابل معافی ہوتی' وہ تعریفات میں قابل معافی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ تعریفات میں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، اس کی تمام تر جزءیات کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی تعریف میں ایسا ممکن ہوسکتا ہے، لیکن ضابطہ میں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کی بجائے اس کی ہر ہر جزئی کو پرکھنا اصل مقصد ہوتا ہے، لہٰذا کسی چیز کا ضابطہ اور معیار مقرر کرتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ ایسا جامع اور مانع ہو کہ حقیقت و ماہیت کی کوئی جزئی اس سے خارج نہ ہونے پائے۔
2. ضابطہ میں تواتر کو شرط قرار نہ دینے کی دوسری وجہ طالب علم کے لئے قراءات متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے آسانی پیدا کرنا مقصود تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ طالب علم محض اس ضابطہ کی بنیاد پر بغیر کسی دشواری کے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءات متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کرسکتا ہے۔اگر (تعریف کی طرح) ضابطہ میں بھی تواتر کی شرط عائد کر دی جاتی تو اس کے لئے یہ امتیاز نہایت مشکل ہوتا، کیونکہ اس صورت میں اسے قراءات کی ہر جزئی کو پرکھنے کے لئے اتنی بڑی تعداد کی طرف رجوع کرنا پڑتا جن کا روایت کے ہر طبقہ میں جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہو اور آپ خود اندازہ کریں کہ یہ ایک طالب علم کے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔

۳ وہ قراءۃ جو مشہور و مستفیض ہو اور تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے اور وہ مختلف بالقرائن بھی ہو، نیز جو کچھ مصحف کے دوگتوں کے درمیان ہے، جس پر صحابہ کے افضل ترین دور میں امت کا اجماع تھا اور اس کے متواتر ہونے پر پوری امت متفق ہے، اس کے رسم کے مطابق ہو اور ساتھ لغت عرب کی موافقت بھی حاصل ہو جائے اور ہر دور میں فن قراءۃ کے ماہرین نے اس کو قبول کیا ہو۔ جب کوئی قراءۃ ان شرائط پر پوری اترتی ہو وہ قراءۃ یقیناً قطعی ہے اور وہ قوت میں تواتر سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔[مناهل العرفان: ۴۲۷/۱]

نیز جمہور سلف و خلف کے نزدیک خبر واحد جب امت میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے یا اس کے ساتھ ایسے قرائن مل جائیں جو اس کی قطعیت پر واضح دلیل ہوں تو وہ علم یقینی کا فائدہ دے گی اور قوت میں متواتر کے برابر تصور ہوگی۔[مجموع الفتاوی: ۴۸،۴۱/۱۸ ، التحرير والتنوير: ۵۳/۱]

ان دلائل کی بنیاد پر یہ بات بالجزم کہی جاسکتی ہے کہ ثبوت قرآن کے لئے تواتر کو شرط قرار دینے والے جمہور فقہا ومحدثین اور قراءۃ متواترہ و شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے تین ارکان مقرر کرنے والے قراء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام زرقانی رحمہ اللہ اس حوالہ سے اپنی گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں:

وهذا التوجيه الذي وجهنا به الضابط السالف يجعل الخلاف كأنه لفظي ويسير بجماعات القراء على جدد الطريق في تواتر القرآن "ومن سلك الجدد آمن العثار". [مناهل العرفان: ۴۲۷/۱]

''مذکورہ ضابطہ کی جو توجیہ ہم نے بیان کی ہے' اس کے پیش نظر یہ اختلاف محض لفظی رہ جاتا ہے اور وہ قرآن کے تواتر کے سلسلہ میں قراء کو نئے راستوں سے آشنا کرتا ہے۔'' اور جو نئے راستوں پر گامزن ہوا وہ ٹھوکروں سے محفوظ رہتا ہے۔''

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بات پر تقریباً امت کا اجماع ہے کہ جو قراءۃ مذکورہ تین ارکان کی حامل ہوگی، وہ متواتر ہے اور جس میں کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا، وہ شاذ قرار پائے گی۔

لیکن ابن مقسم [1] کے متعلق منقول ہے کہ اجماع امت کے برعکس اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءۃ جو رسم عثمانی اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، اس کی تلاوت جائز ہے، خواہ اس کی کوئی سند ہو یا نہ ہو۔

علماء امت نے اس نظریہ کو انتہائی گمراہ کن قرار دیا۔ اور ایسی قراءۃ کو قرآن تو درکنار خبر واحد کی حیثیت بھی نہیں دی، بلکہ ایسی قراءۃ کو قابل رد قرار دیا ہے، اس شخص کو بغداد میں وقت کے حکمران کے سامنے پیش کیا گیا اور اس دور کے فقہا و قراء کی ایک بہت بڑی مجلس میں اس نے اپنے اس فاسد نظریہ سے رجوع کیا اور وہیں اس کی توبہ کا محضر نامہ

[1] أبوبكر محمد بن حسن بن يعقوب بن الحسن بن الحسين بن محمد بن سليمان بن داؤد بن عبيد الله بن مقسم الإمام المقرئ النحوي، (۳۵۴ھ)، غاية النهاية: ۱۲۳/۱

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا گیا۔[غاية النهاية في طبقات القراء: ۱۲۴/۱ - تاريخ بغداد: ۲۸۰/۱]

اسی طرح ایک شخص ابن شَنَبُوذ بغدادی (ت ۳۲۸) کا نظریہ یہ تھا کہ وہ قراءۃ جو صحیح سند سے منقول ہو، خواہ رسم عثمانی کے مخالف ہی ہو، اس کی قراءت جائز ہے۔ تو ابوبکر بن مجاہد (ت ۳۲۴ھ) نے سلطان راضی باللہ (ت ۳۲۹ھ) سے مطالبہ کیا کہ وہ امت کے اجماعی موقف کے خلاف ابن شنبوذ سے رجوع کروائیں۔ چنانچہ سلطان کے حکم پر وزیر محمد بن علی بن مقلہ (ت ۳۲۸ھ) کے دربار میں قضاۃ، فقہا اور قراء کی ایک مجلس منعقد ہوئی، جہاں ابن شنبوذ سے اس کے موقف پر دلیل طلب کی گئی، لیکن یہ کوئی قوی یا ضعیف دلیل بھی پیش نہ کر سکا۔ آخر سزا کے بعد اس نے اپنے اس موقف سے رجوع کرلیا۔[غاية النهاية: ۵۴/۱، ۵۵- تاريخ بغداد: ۲۸۰/۱ - في رحاب القرآن الكريم: ۴۴۲/۱]

قراءات شاذہ کی تلاوت کے حکم کے ضمن میں ہم اس باطل نظریہ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ (ان شاءاللہ)

قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے ممتاز کرنے کا دوسرا ضابطہ

علماء قراءات نے ارکان ثلاثہ کی بنیاد پر قراءت شاذہ کو قراءات متواترہ سے الگ کر دیا ہے، چنانچہ علما نے تواتر اور عدم تواتر کے اعتبار سے قراءات کی تین اقسام کی ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں:

1. قراءات سبعہ کے تواتر پر سب کا اتفاق ہے۔
2. بقیہ تین قراءات کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔
3. قراءات عشرہ کے علاوہ چار قراءات کے شذوذ پر سب کا اتفاق ہے۔[لطائف الإشارات: ۱۷۰/۱]

سبعہ قراءات

ان کے متواتر ہونے کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔[اتحاف فضلاء البشر: ۷] ابن سبکی 'جمع الجوامع' میں فرماتے ہیں:

> ''قراءات سبعہ مکمل طور پر تواتر سے ثابت ہیں' یعنی انہیں رسول اللہ ﷺ سے اتنی بڑی جماعت نے نقل کیا کہ ان کا جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہے اور یہ تواتر شروع سند سے آخر سند تک موجود ہے۔ سبعہ قراءات متواتر ہیں' مد بھی متواتر ہے اور امالہ بھی متواتر ہے اور یہ سب واضح ہے' اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔[مناهل العرفان: ۴۳۶/۱]

بقیہ تین قراءات

صحیح بات یہی ہے کہ سبعہ قراءات کے علاوہ ابوجعفر رحمہ اللہ، یعقوب رحمہ اللہ اور خلف رحمہ اللہ کی قراءات' یعنی تمام قراءۃ عشرہ متواترہ ہیں۔[اتحاف فضلاء البشر:۷] تمام محققین اصولیین اور قراء، مثلاً مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ، ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ، ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ، شیخ الشافعیہ ابوعمرو عثمان بن الصلاح رحمہ اللہ، الشیخ المالکیۃ ابن الحاجب رحمہ اللہ [البرهان في علوم القرآن: ۴۸۱/۱] ابوالعلاء الحسن بن احمد بن الحسن الصمدانی رحمہ اللہ، ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ [النشر: ۳۷/۱، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱] نیز حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ کا موقف بھی یہی ہے۔[الموسوعة الفقهية: ۴۴/۳۳] ابن سبکی رحمہ اللہ، ابن جریر رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، بلکہ ابوشامہ رحمہ اللہ [1] کی بھی یہی رائے ہے، مقری

[1] صحیح بات یہ ہے کہ ابن شامہ کے متعلق قراءات عشرہ کی بعض وجوہ کے عدم تواتر کا قول ان کی کتاب میں دسیہ کاری ہے۔ یا پھر یہ ان کا شروع میں موقف تھا لیکن بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کرلیا تھا۔[مناهل العرفان: ص ۴۴۱/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فقیہ امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قراءات عشرہ کے تواتر پر اجماع نقل کیا ہے۔[تفسیر بغوي: ۳۰/۱، ۳۱] اسی طرح ابن جزری رحمہ اللہ نے قاضی القضاۃ ابونصر عبدالوہاب اور الاستاذ اسماعیل بن ابراہیم کا قراءات عشرہ کے متواتر ہونے پر فتویٰ ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ابن حاجب رحمہ اللہ کی طرف بقیہ تین قراءات کے عدم تواتر کا قول منسوب کرنا غلط ہے۔[النشر: ۴۵/۱، ۴۶، ۴۷] ہاں ابن حاجب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ درست ہے کہ وہ فروش کو متواتر مانتے ہیں لیکن اصول کو متواتر تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے اس موقف کا ابن جزری رحمہ اللہ نے سخت رد کیا ہے۔[منجد المقرئین: ۵۷] اور ابن سبکی رحمہ اللہ نے قراءات عشرہ کے ہر ہر حرف کو متواتر، منزل من الله اور دین کا لازمی جز قرار دیا ہے۔[النشر: ۴۶/۱]

اور اگر ابوشامہ رحمہ اللہ اور دیگر نے بعض قراءات کے عدم تواتر کی بات کی ہے تو اس کی بنیاد ان کا یہ وہم ہے کہ جب کوئی قراءۃ کسی معین شخص کی طرف منسوب ہو جائے تو وہ خبر واحد بن جاتی ہے، حالانکہ انہوں نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا کہ ہر وہ قراءۃ جو مشہور قراء میں سے کسی قاری کی طرف منسوب ہے، اس کو پڑھنے والے، اس قاری کے زمانہ میں یا اس سے پہلے ایک بہت بڑی تعداد تھی، بلکہ وہ اس کے دور سے کئی گنا زیادہ تھی۔[المنجد: ۶۸]

ابن سبکی رحمہ اللہ نے بھی ابن جزری رحمہ اللہ کی تائید کی ہے اور کہا ہے:

”اگر قراء کی اسانید آحاد بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر قراءات متواترہ کی اسانید مخصوص افراد کی طرف منسوب ہوگئی ہیں تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگوں نے قراءات کو نقل نہیں کیا، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ہر امام کی قراءۃ کو ایک جم غفیر نے اس امام کے اہل علاقہ کے ایک جم غفیر سے روایت کیا۔ اور اسی طرح ہر طبقہ میں یہ تعداد بڑھتی رہی۔ ائمہ کی طرف اور ان کی اسانید میں موجود رواۃ کی طرف ان قراءات کے منسوب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان قراءات کو ضبط کیا تھا اور اپنے شیوخ سے ان قراءات کو مکمل طور پر یاد کیا تھا۔[مناهل العرفان: ۴۳۶/۱]

یہی بات ابن جزری رحمہ اللہ کے شیخ ابو المعالی محمد بن احمد بن اللبیان رحمہ اللہ (ت ۷۷۶ھ) نے نہایت واضح انداز میں کہی ہے۔[المنجد: ۷۰]

اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے یہ تصریح کی ہے کہ بعض نے اگرچہ ان قراءات کے طرق کے تواتر میں اختلاف کیا ہے، کیونکہ وہ ان کے نزدیک کیفیات ادا سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی اس سے قرآن کے تواتر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔[تفسیر القاسمي: ۳۰۶/۱]

اس وضاحت کے بعد ہم بالجزم کہہ سکتے ہیں کہ قراءات عشرہ کے تواتر پر امت کے تمام علما وفقہا اور قراء متفق ہیں اور ابو شامہ رحمہ اللہ اور ابن الحاجب رحمہ اللہ بھی ان کے درحقیقت عدم تواتر کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الذي وصل إلينا اليوم متواتراً وصحيحا مقطوعاً به قراءات الأئمة العشر ورواتهم المشهورين هذا الذي تحرر من أقوال العلماء وعليه الناس اليوم بالشام والعراق ومصر والحجاز. “ [المنجد المقرئين: ۲۳]

”وہ قراءات جو آج ہم تک تواتر اور قطعی ذریعہ سے پہنچی ہیں' وہ ائمہ عشر اور ان کے مشہور رواۃ کی قراءات ہیں۔ یہی بات علما کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے اور اسی پر آج اہل شام، عراق، مصر اور اہل حجاز کا اجماع ہے۔“

امام البناء دمیاطی رحمہ اللہ قراءات عشرۃ کو متواتر قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وهو الصحيح المختار الذي تلقيناه من عامة شيوخنا وأخذنا به عنهم وبه ناخذ.
[اتحاف فضلاء البشر:۷]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی قراءات عشرۃ کے تواتر پر اجماع نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''تمام امصار کے مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان ائمہ نے جو قراءات روایت کی ہیں یا انہیں تصنیفات میں تحریر کیا ہے' ان پر اعتماد کیا جائے گا اور ان قراءات کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں مسلسل اجماع چلا آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا ہوا ہے۔ تمام محققین فضلا اور تمام ائمہ سلف' جیسے ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور قاضی ابی بکر بن ابی الطیب رحمہ اللہ وغیرہ اسی موقف کے حامل ہیں۔''

ابن مجاہد رحمہ اللہ کے سات قراءات کو جمع کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ صرف یہی سات قراءات متواترہ ہیں، مجدد، مجتهد العصر، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ اور کسی عالم کا بھی یہ اعتقاد نہیں تھا کہ سبعہ احرف سے مراد یہی سبعہ قراءات ہیں، بلکہ انہوں نے سات قراءات کو اس لئے جمع کیا تھا کہ جن حروف پر قرآن نازل ہوا، اس کے ساتھ لفظی موافقت ہو جائے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علماء سلف اور ائمہ دین نے اس بارے میں کبھی اختلاف نہیں کیا کہ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ تمام علاقوں میں صرف یہی سات قراءات ہی پڑھی جائیں گی' بلکہ جس شخص کے نزدیک اعمش رحمہ اللہ اور یعقوب حضرمی رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءۃ امام حمزہ رحمہ اللہ اور کسائی رحمہ اللہ کی طرح ثابت ہو جائے تو وہ ان کی قراءات کرسکتا ہے۔ اس پر تمام معتبر ائمہ کا اتفاق ہے...... اسی وجہ سے ائمہ اہل عراق جن کے نزدیک دس یا گیارہ قراءات ان سات قراءات کی طرح صحیح ثابت ہیں، وہ انہیں کتب میں جمع کرتے اور نماز اور غیر نماز میں تلاوت کرتے ہیں اور یہ بات علما کے درمیان متفق علیہ ہے' کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔'' [النشر: ۳۹/۱،۴۰]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ''أنزل القرآن على سبعة أحرف'' چنانچہ ہم قطعی اور یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سات حروف (وجوہ) پر نازل ہوا ہے اور دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قرائات عشرہ کے علاوہ سب منسوخ ہوگئیں تھیں۔ لہٰذا یہ قراءات اپنے ثبوت میں قطعی ہیں اور قرآن کریم کا لازمی حصہ ہیں اور جب تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن اپنے اجزاء اور ابعاض سمیت سب کا سب تواتر سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن کا ہر جز تواتر سے ثابت ہے' کیونکہ کل، جز کو مستلزم ہے، مثلاً 'الصراط' میں ایک قراءت سین کے ساتھ اور ایک ضاد کے ساتھ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراءات متواتر اور قرآن ہیں، کیونکہ دونوں ایک ہی ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ ایک متواتر ہے اور دوسری متواتر نہیں' حالانکہ دونوں کا طریق ورود ایک ہے تو یہ محض ضد اور دو باہم مساوی چیزوں کے درمیان امتیاز نہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور جب پورا قرآن متواتر ہے تو پھر اس کے ایک جز کو غیر متواتر قرار دینا گویا پورے قرآن پر عدم اعتماد کا اظہار ہے جو کہ سراسر باطل ہے۔

تمام عقلی و نقلی دلائل اور علماء سلف کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قراءات عشرہ ہی متواتر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں اور ہم نے قراءات عشرہ کے تواتر کے ثبوت کو اس لئے اہمیت دی ہے، تاکہ شاذ قراءات کے امتیاز میں کوئی دشواری باقی نہ رہے اور ان لوگوں کا رد ہو جائے جو چودہ قراءات کو متواتر کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ 'تعرف الأشياء بأضدادها'

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءاتِ عشرہ درج ذیل طرق سے مروی ہیں

الرقم	قراءة	روایت	طریق	
١	نافع المدني	قالون ورش	ابن نشيط أزرق	محمد بن هارون أبي يعقوب يوسف
٢	ابن كثير المكي	البزي قنبل	أبى ربيعة ابن مجاهد	محمد بن إسحق أبى بكر أحمد بن مجاهد
٣	أبي عمر البصري	الدوري السوسي	أبي الزعراء أبى عمران	عبدالرحمن بن عبدوس موسى بن جرير
٤	ابن عامر الدمشقي	هشام ابن ذكوان	الحلواني أخفش	أبي الحسن أحمد بن يزيد هارون بن موسىٰ
٥	عاصم الكوفي	شعبة حفص	الصلحي	أبي زكريا يحيىٰ بن آدم عبيد بن الصلاح النهشلي
٦	حمزه الكوفي	خلف خلاد	أبي الحسن ابن بويان عن إدريس بن عبدالكريم الحداد أبي بكر محمد بن شاذان الحوري	
٧	علي الكسائي الكوفي	أبوالحارث الدوري	محمد بن يحيىٰ البغدادي (الكسائى الصغير) أبي الفضل جعفر بن محمد النصيبي	
٨	أبى جعفر المدني	ابن وردان ابن جماز	فضل بن شاذان أبو أيوب الهاشمي	
٩	إمام يعقوب بن إسحاق	رويس روح	التمار محمد ابن وهب	
١٠	إمام خلف بن هشام	اسحاق إدريس	ابن شاذان المطوعي	

قراءاتِ عشرہ کے علاوہ چار قراءات شاذہ ہیں

بعض نے قراءۃ عشرہ کے علاوہ بھی بعض قراءات کو متواتر کہا ہے' لیکن فن قراءۃ کے امام ابن جزری رحمہ اللہ نے نہایت وضاحت سے یہ ذکر کر دیا ہے کہ صرف قراءات عشرہ ہی ارکان ثلاثہ پر پوری اترتی ہیں اور ان کے علاوہ آج کوئی متواتر قراءۃ موجود نہیں ہے' وہ فرماتے ہیں:

أن الذي جمع في زمننا هذه الأركان الثلاثة هو قراءة الأئمة العشرة التي أجمع الناس على تلقيها بالقبول. أخذها الخلف عن السلف إلى أن وصلت إلى زماننا. فقراءة أحدهم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كقراءة الباقيين في كونها مقطوعا بها . أما قول من قال: إن القراءات المتواترة لا حد لها، فإن أراد القراءات المعروفة في زماننا فغير صحيح لأنه لا يوجد اليوم قراءة متواترة وراء القراءات العشر . وإن أراد ما يشمل قراءات الصدر الأول فمحتمل . " [المنجد المقرئين: ص ۱۵، ۱۶]

''وہ قراءات جو ہمارے دور میں ان تین ارکان کی جامع ہیں، وہ دس ائمہ کی قراءۃ ہے جن کے قبول عام پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔ انہیں خلف نے سلف سے حاصل کیا، یہاں تک کہ یہ ہم تک پہنچیں، ان میں ہر ایک سے قراءت دیگر قراءات کی طرح قطعی ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ قراءات متواترہ کی کوئی حد معین نہیں ہے، اگر تو اس کی مراد ہمارے دور کی معروف قراءات ہیں تو یہ بات صحیح نہیں' کیونکہ آج قراءات عشرۃ کے علاوہ کوئی قراءۃ متواتر نہیں ہے اور اگر اس سے مراد صدر اول کی قراءات ہیں تو اس میں احتمال ہے۔''

◉ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"القرآن التي تجوز به في الصلاة بالاتفاق هو المضبوط في المصاحف التي بعث بها عثمان إلى الأمصار، وهو الذي أجمع عليه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة و تفصيلًا فما فوق السبعة إلى العشرة غير شاذ وإنما الشاذ ما وراء العشرة وهو الصحيح . "

[ردالمحتار على درالمختار المعروف بحاشية ابن عابدين: ۱۶۴/۲، تحقيق وتخريج محمد صبحي حسن حداد عامر حسين، دارإحياء التراث العربي، بيروت، لبنان،]

''وہ قرآن جس کے ساتھ بالاتفاق نماز جائز ہے، وہ ہے جو ان مصاحف میں تحریر ہے، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا تھا اور یہ وہی ہے جس پر ائمہ عشر کا اجماع ہے اور یہ اجمالی اور تفصیلی ہر لحاظ سے متواتر ہے۔ سات سے دس تک قراءات شاذ نہیں ہیں، بلکہ شاذ وہ ہیں جو دس کے علاوہ ہیں اور یہی بات صحیح ہے۔''

آخر میں ہم امام زرکشی رحمہ اللہ کی کلام سے یہ سلسلہ گفتگو ختم کرتے ہیں جنہوں نے قراءات شاذہ اور متواترہ کے درمیان ایک واضح ضابطہ متعین کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

"والمعروف أنها، أي القراءة الشاذة ما وراء السبعة والصواب ما وراء العشر وهي ثلاثة آخر يعقوب وخلف وأبوجعفر يزيد بن القعقاع . فالقول بأن: هذه الثلاثة غير متواترة ضعيف جدا . " [البحر المحيط: ۴۷۶/۱]

''معروف یہ ہے کہ قراءات سبعہ کے علاوہ سب قراءات شاذہ ہیں (یہ نظریہ غلط اور فاسد ہے)[1] [النشر: ۴۵/۱] صحیح یہ ہے کہ قراءاتِ عشرہ، یعنی قراءتِ سبعہ اور ان کے ساتھ یعقوب، خلف اور ابوجعفر کی تین قراءات کے علاوہ باقی شاذ ہیں اور یہ قول کہ یہ تین قراءتیں متواتر نہیں ہیں' انتہائی ضعیف ہے۔''

ان تمام عقلی و نقلی دلائل اور علمائے سلف کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قراءات عشرہ ہی متواتر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں اور ہم نے قراءات عشرہ کے تواتر کے ثبوت کو اس لئے اہمیت دی ہے، تاکہ شاذ قراءات کے امتیاز میں کوئی دشواری باقی نہ رہے اور ان لوگوں کا رد ہو جائے جو چودہ قراءات کو متواتر کہتے ہیں، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ تعرف الأشياء بأضدادها ''اشیاء کی معرفت ان کی اضداد سے ہوتی ہے۔'' لہٰذا قراءات شاذّہ کے تعین

① عبدالوهاب بن السبكي فرماتے ہیں: "والصحيح إنما وراء العشر فهو شاذ وما يقابل الصحيح إلا فاسد . "

* ....

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ضروری تھا کہ پہلے قراءات متواترہ کی صحیح کیفیت پیش کی جائے تاکہ قراءات شاذّہ پر نقد کی زد میں قراءات متواترہ کے آنے کا شبہ نہ رہے کیونکہ قراءات متواترہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ وہ کلام الٰہی (قرآن کریم) ہی کی متنوع صورتیں ہیں جو عالم اسلام میں مروج چلی آ رہی ہیں۔ *

قراءاتِ شاذّہ کی مختلف اَقسام

گزشتہ صفحات میں مذکور قراءۃ شاذّہ کی تعریف اور ضوابط اصولیہ کی بنیاد پر ہم قراءات شاذّہ کو درج ذیل اقسام میں منحصر کر سکتے ہیں:

١ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو اور کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہو اور رسم عثمانی کے بھی موافق ہو، لیکن نہ تو بطریق تواتر ثابت ہو اور نہ ہی ایسے طریق سے جو قوت میں تواتر کے مساوی ہو، مثلاً ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: «إما تأتینکم رسل منکم» (تائے تانیث کے ساتھ ہے۔) [1] [المحتسب: ۲۴۷/۱] اس کے علاوہ اس کی متعدد مثالیں کتب قراءات میں موجود ہیں۔

٢ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو اور لغت عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو، لیکن مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے رسم کے مطابق نہ ہو۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءۃ ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى﴾ «والذکر والأنثی». [اللیل: ۱،۳] [صحیح البخاري: ۴۹۴۴]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: ''وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ «صالحة» غَصْباً وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ «کافرا»'' [الکہف: ۷۹،۸۰] [صحیح البخاري: ۴۷۲۵، ۴۷۲۶]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ﴾ [الطلاق: ۱] «في قبل عدتهن». [صحیح مسلم: ۱۴۷۱ - الموطأ: ۵۸۷/۲ - جزء فی قراءات النبي ﷺ (إمام الدوري): ۱۶۲ - المستدرك للحاكم: ۲۵۰/۲]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں قراءۃ کی اس قسم کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اور متعدد امثلہ ذکر کی ہیں۔ [الاتقان: ۷۷/۱] اسی طرح ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے بھی رسم عثمانی کے مخالف حروف کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور رسم عثمانی کے مخالف تقریباً ۱۰۰ روایات ذکر کی ہیں۔ [فضائل القرآن: ۱۴۵۱۰۵/۲]

قراءاتِ شاذّہ کی یہی دو اقسام ہیں، جن کے متعلق ہم آئندہ صفحات میں یہ بحث کریں گے کہ فقہا کے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے؟

---

① اس میں متواتر قراءۃ: ﴿إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو، رسم عثمانی کے مطابق ہو اور لغتِ عربی کے مخالف ہو، امام ابن جزری رحمہ اللہ کے بقول یہ قسم بہت ہی کم ہے، بلکہ مفقود ہے۔ اگر اس کی کوئی مثال ہے بھی تو وہ سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہے، جس سے ائمہ محققین اور حفاظِ قراءۃ واقف ہیں، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی قراءۃ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور پھر لغتِ عرب کے مطابق نہ ہو۔

بعض نے خارجة عن نافع کی روایت: «معائش» ہمزہ کے ساتھ [1] اسی طرح إبن بكار عن أيوب عن يحيىٰ عن ابن عامر کی روایت: «أدري أقريب» ہمزہ اور یا کے فتح کے ساتھ۔ اسی طرح ابوعلی العطا کی روایت عن العباس عن أبي عمر: «ساحران تظاهّرا» (ظا کی تشدید کے ساتھ) کو اسی قبیل سے قرار دیا ہے۔ ایسی تمام قراءات سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہیں، لہٰذا قابل رد ہیں۔ [النشر: ۱/۱۶]

④ بعض قراءات ایسی بھی ہیں جن کی اسانید صحیح ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن نہیں ہیں، بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورانِ تلاوت کسی لفظ کی تفسیر اور تشریح کیلئے بعض کلمات کا اضافہ کر دیتے تھے اور بعض ساتھ لکھ بھی دیتے تھے، جس کے لئے 'مدرج' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ چونکہ وہ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن حاصل کر رہے تھے، قرآن کے متن کو خوب جانتے تھے، اس لئے ان الفاظ کے اضافہ سے قرآن کے متن میں اضافہ کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ ایسے ہی بعض تابعین نے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے کیا۔ [أیضاً: ۱/۳۲، الاتقان: ۱/۷۹]

مدرج قراءۃ کی مثال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: « وله أخ أو أخت من أم » میں «من أم» کے لفظ ہے، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیری اضافہ ہے۔

⑤ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح نہ ہو، خواہ وہ رسم عثمانی اور لغت عرب کے موافق ہو یا مخالف، ایسی قراءۃ بالاتفاق ضعیف اور قابل رد شمار ہوگی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان تمام قراءات کو موضوع قرار دیا ہے۔ [الاتقان: ۱/۷۷] امام مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے کتب شواذ میں موجود قراءات کی غالب اکثریت کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔
[النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۶]

مثال کے طور پر ابن السمیفع [2] اور ابو السمال [3] وغیرہ کی قراءات ﴿نُنَحِّيكَ بِبَدَنِكَ﴾ کی بجائے «نُنْجِيكَ بِبَدَنِكَ» اور ﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ ءايَةً﴾ کی بجائے «خَلَفَكَ» لام کی فتح کے ساتھ ہے۔

اسی طرح وہ قراءات جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ [4] کی طرف منسوب ہیں۔ ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی نے یہ قراءات ایک کتاب میں جمع کر کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیں اور اس سے پھر ابو القاسم الهذلی

---

① ابن مجاہدؒ نے القراءات السبعة: ۲۷۸ میں اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ اسی طرح علی النوری الصفاقسی نے اپنی کتاب غيث النفع میں کہا ہے کہ "معائش تمام قراء کے نزدیک ہمزہ اور مد کے بجائے یا کے ساتھ ہے اور خارجہ، نافع سے ہمزہ کے ساتھ روایت کرنے میں منفرد اور شاذ ہیں اور یہ وجہ انتہائی ضعیف ہے، بلکہ بعض نے اسے لحن قرار دیا ہے۔" [غيث النفع على حاشية سراج القاری: ۲۲۱]

② ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن السمیفع الیمانی؛ اس کا قراءۃ کے بارے میں اجماع امت سے الگ ضابطہ تھا۔ یہ اسمٰعیل بن مسلم مکی کے حوالہ سے قراءت بیان کرتا ہے جو کہ مجہول اور ضعیف ہے، لہٰذا اس کی قراءات ضعیف شمار ہوں گی۔ [غاية النهاية: ۲/۱۶۱، ۱۶۲]

③ ابو السمال قعنب بن ابو قعنب العدوی البصری؛ اس کا بھی قراءۃ میں اجماع امت سے الگ ضابطہ تھا۔ یہ جس سند سے قراءۃ بیان کرتا ہے، وہ ضعیف ہے۔ [غاية النهايه: ۲/۲۷]

④ نعمان بن ثابت بن زوطا (ت ۱۵۰ھ) ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، عراق کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ [غاية النهاية: ۲/۳۴۲]

* النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے انہیں نقل کیا۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ابو العلا الواسطی نے کہا ہے کہ میں نے امام دارقطنی رحمہ اللہ اور علما کی ایک جماعت کی تحریرات دیکھیں، جن میں یہ صراحت تھی کہ یہ کتاب موضوع اور خود ساختہ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان میں سے ایک قراءۃ: «إنما یخشی اللهُ عباده العلماءَ» لفظ 'اللہ' کی رفعی حالت اور لفظ 'العلماء' کی نصبی حالت کے ساتھ ہے۔ یہ قراءۃ اکثر مفسرین کے ہاں رائج ہوگئی ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ اس سے بری الذمہ ہیں۔[النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۶]

اسی طرح وہ قراءات جو شاطبیہ کے بعض شارحین نے وقفِ حمزہ کے بارے میں ذکر کی ہیں، وہ بھی قراءات شاذّہ کی ان دو مؤخر الذکر مردود اقسام میں شامل ہوں گی۔

مثال کے طور پر أسمایهم ، أولیك (ہمزہ کی بجائے یا) شرکاوهم ، أحباوه (ہمزہ مرفوعہ کی بجائے واؤ) بداکم ، أخاه (ہمزہ کی بجائے الف) اسی طرح مرأی کی بجائے مرا اور تری کی بجائے ترا اور اشمأزت کی بجائے اشمزّت اور فادّرأتم کی بجائے فادراتم، ان تمام الفاظ میں ایک ایک کلمہ حذف کیا گیا ہے، جسے وہ تخفیف رسمی کا نام دیتے ہیں۔ یہ تمام قراءات کسی بھی عربی وجہ کے مطابق نہیں ہیں، لہٰذا اگر یہ ثقہ رواۃ سے منقول ہوں تو بھی ان کو قبول نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ غیر ثقہ سے منقول ہیں تو پھر یہ رد کے زیادہ لائق ہیں۔[أیضاً ۱/۱۶۔۱۷]

حقیقت یہ ہے کہ ان قراءات کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ابن جزریؒ فرماتے ہیں: ''جستجوئے بسیار کے باوجود بھی مجھے کسی صحیح یا ضعیف طریق سے ان کی نص نہیں مل سکی۔'' [أیضاً: ۱/۱۷] اگر حقیقت ایسے ہی ہے جیسا کہ ابن جزریؒ نے بیان کیا ہے تو پھر وقفِ حمزہ کی طرف منسوب ان الفاظ کو درج ذیل آخری قسم میں شمار کیا جانا چاہیے۔

6. چھٹی قسم ان قراءات کی ہے جو رسمِ عثمانی اور لغتِ عرب کے موافق تو ہیں، لیکن سرے سے ان کی کوئی سند ہی نہیں ہے۔ ایسی قراءات کو شاذّہ کی بجائے 'مکذوبة' کہا جائے گا اور ایسی قراءات کو قرآن کہنے والا کافر قرار دیا جائے گا۔[منجد المقرئین: ۱۷- لطائف الإشارات: ۷۲]

قراءاتِ شاذّہ کی حیثیت ومقام

جب ہم گزشتہ باب پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو درج ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

1. تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ثبوتِ قرآن کے لئے تواتر اور نصِ قطعی کا ہونا شرط ہے۔
2. ہر وہ قراءۃ متواتر ہوگی جو مذکورہ تین ارکان کی جامع ہوگی۔
3. صرف قراءاتِ عشرہ ہی متواتر ہیں جو ان تین ارکان پر پورا اترتی ہیں، ان کے علاوہ باقی سب قراءات احادیہ اور شاذّہ ہیں۔
4. وہ قراءات جو رسمِ عثمانی کے مطابق ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، لیکن وہ تواتر اور قبول عام کے مقام پر فائز نہیں ہیں، دراصل یہ وہ قراءات تھیں جو سبعہ احرف کا حصہ تھیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جبریل کے آخری دورِ قرآن میں بعض مصالح کے پیش نظر انہیں منسوخ کر کے دائرہ قرآن سے نکال دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تواتر کے ذریعہ ہم تک نہیں پہنچیں۔
5. وہ قراءات جو بطریق آحاد ثابت ہیں، لیکن رسمِ عثمانی کے مخالف ہیں، دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو یہ قرآن تھیں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

،لیکن عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ کر دی گئیں یا یہ شروع سے ہی قرآن نہیں تھیں، بلکہ یہ آیات کی تفسیر تھیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں ۔جن حضرات نے ان قراءات کو بطورقرآن بیان کیا ہے، اس سے ان کا مقصود یا تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ پہلے یہ قرآن تھیں، یا انہوں نے غلطی سے انہیں قرآن سمجھ لیا، حالانکہ وہ قرآن کی تفسیر تھی یا عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ان کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوسکا ،البتہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں جمع قرآن کے وقت سب صحابہؓ ان قراءات کے عدم قرآن ہونے پر متفق ہوگئے۔

٦ ان کے علاوہ جتنی بھی قراءات ہیں ،سب باطل اور ضعیف ہیں جن کو بعض اسلام دشمن عناصر نے اپنے اہداف کو بروئے کار لانے کے لئے گھڑا تھا یا پھر وہ سہو،لحن اور لغتِ عرب سے ناواقیت کا نتیجہ ہیں ۔ان کو امت نے کسی بھی حیثیت سے قبول نہیں کیا، لہٰذا یہ ہماری اس بحث سے خارج ہیں۔

یہاں ہمارے زیر بحث صرف وہ قراءات شاذّہ ہیں جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں کہ آیا ان قراءات شاذّہ کو قرآن قرار دیا جا سکتا ہے؟ نماز یا اس کے علاوہ ان کی تلاوت کا حکم کیا ہے؟ اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ کیا استنباطِ احکام میں فقہا اور مفسرین نے ان کو قبول کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو کس حیثیت سے ،بطورقرآن یا خبر واحد؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ یہ وہ موضوع ہے جس پر ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔

گذشتہ باب کے نتائج کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے اگر ہم غور کریں تو یہ بات حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ قراءۃ شاذّہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ تمام شرائط مفقود ہیں، جو ثبوتِ قرآن کے لئے ضروری ہیں، لہٰذا پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ قراءۃ شاذّہ قرآن نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں اس حقیقت پر تمام مکاتبِ فکر اسلامیہ کے اقوال پیش کر دیئے جائیں ،تا کہ اعدائے اسلام اور مستشرقین کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

◉ امام سرخسی رحمہ اللہ قراءۃ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے پر امت کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اعلم بأن الكتاب هو القرآن المنزل على رسول الله ﷺ، المكتوب في دفات المصاحف المنقول إلينا على الأحرف السبعة المشهورة نقلاً متواترا؛ لأن ما دون المتواتر لايبلغ درجة العيان ولاتثبت بمثله القرآن مطلقا؛ ولهذا قالت الأمة: لو صلىّ بكلمات تفرد بها ابن مسعود لم تجر صلاته؛ لأنه لم يوجد فيه النقل المتواتر وباب القرآن باب يقين وإحاطة فلاتثبت بدون النقل المتواتر كونه قرآنا .“

[أصول السرخسي ، أبوبكر محمد بن أحمد بن أبى سهل السرخسي: ۲۷۹/۱۔۲۸۰]

”جان لیجئے! قرآن کریم وہ کتاب ہے، جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی ۔جلدوں کے درمیان مصاحف میں لکھی ہوئی ہے ۔مشہور سات حروف کے مطابق تواتر کے ذریعے نقل ہوکر ہم تک پہنچی ہے، اس لئے کہ جو متواتر کے علاوہ ہے، وہ قطعیت اور عین الیقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا، اور ایسی چیز سے قرآن کا ثبوت ناممکن ہے ۔اسی وجہ سے امت اس بات پر متفق ہے کہ اگر کوئی شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءۃ کو نماز میں پڑھے گا، اس کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں نقل تواتر موجود نہیں ہے ۔اور جو متواتر نہیں ہے، اسے قرآن نہیں کہا جا سکتا۔“

◉ امام زرکشی رحمہ اللہ نے الکیا طبری رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس پر علما کا اتفاق نقل کیا ہے ان کا بیان ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"القراءة الشاذة مردودة لا يجوز إثباتها في المصحف، وهذا لا خلاف فيه بين العلماء." [البحر المحيط فی أصول الفقه: ۴۷۵/۱، ایڈٹ: عبد الستار أبو غده]

''قراءۃ شاذّہ قابل رد ہیں، ان کو مصحف میں شامل کرنا ممنوع ہے اور علما کے درمیان اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

صاحب مسلَّم الثبوت فرماتے ہیں:

''جو قراءات بذریعہ آحاد نقل ہوئی ہیں، وہ قطعاً قرآن نہیں ہیں۔ [مسلَّم الثبوت لعبدالعلي الهندي:۱۵۰]

◉ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی قراءاتِ شاذّہ کو قطعی طور پر قرآن سے الگ قرار دیا ہے۔

[أصول الفقه الإسلامي للدكتور وهبه الزحيلي: ۴۲۷/۱]

◉ عبدالعلی الانصاری رحمہ اللہ کا بیان ہے:

" القراءة الشاذة ليست من القرآن اتفاقاً." [فواتح الرحموت لعبدالعلي: ۱۲/۲]

''قراءۃ شاذّہ بالاتفاق قرآن نہیں ہے۔''

مالکیہ کے بہت بڑے فقیہ امام باجی رحمہ اللہ [1] نے بھی متواتر کے علاوہ کسی خبر کو قرآن میں لکھنے کی ممانعت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ [المنتقیٰ: ۲۴۴/۱]

اسی طرح حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے قراءۃ شاذّہ کی تلاوت، اور نماز میں قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کرنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر امتِ مسلمہ کے تمام علما کا اجماع نقل کیا ہے اور جن چند افراد نے اس سے اختلاف کیا ہے، انہیں امت کے اجماعی موقف سے منحرف قرار دیا ہے۔ [التمهيد لابن عبد البر: ۲۹۳/۸]

امام ابن حزم رحمہ اللہ قراءات شاذّہ کے عدم قرآن ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"من العجب احتجاجكم بهذه الزيادة التى أنتم مجمعون معنا على أنها لا يحل لأحد أن يقرأ بها ولا أن يكتبها فى مصحفه."

''تعجب ہے کہ تم قراءۃِ شاذّہ کے اس اضافہ کو استدلال کی بنیاد بناتے ہو، حالانکہ ہمارا اور تمہارا اس بات پر اجماع ہے کہ قراءۃ شاذّہ کی تلاوت اور ان کو مصحف میں لکھنا جائز نہیں ہے۔'' [المحلیٰ لابن حزم: ۲۵۵/۴]

قراءاتِ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے کی اہم دلیل یہ ہے کہ ان کو قبولِ عام اور تواتر حاصل نہیں ہوا۔ اگر یہ قرآن ہوتیں تو یقیناً بطریقِ تواتر منقول ہوتیں اور امت میں ان کو بھی قراءات متواترہ کی طرح قبول عام حاصل ہوتا، کیونکہ قرآن جس نے پوری دنیا کو ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنانے کا چیلنج دیا، لیکن عرب کے مایہ ناز بلغا وفصحا سورت تو کیا ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکے تو ایسا عظیم معجزہ جو آج تک پوری انسانیت کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے اور ہر دور میں اس کے بذریعہ تواتر نقل ہونے میں متعدد اسباب کارفرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کوئی چیز قرآن ہو اور چند افراد کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو؟ چنانچہ ثابت ہوا کہ تواتر کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے قراءۃ شاذّہ پر قرآن

① ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد القرطبی الباجی (ت ۴۷۴ھ) مالکیہ کے بہت بڑے فقیہ اور عظیم محدث تھے۔ اندلس کے شہر باجہ (Beja) میں پیدائش کی وجہ سے باجی کہلائے۔ حصول علم کے لئے اندلس سمیت بغداد، موصل، دمشق اور حلب کا سفر کیا۔ اندلس کے بعض علاقوں میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ علوم اسلامیہ پر انہوں نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ [الأعلام: ۱۸۶/۳]

② محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم المحلی الشافعی (ت ۸۶۴ھ) عظیم مفسر اور اصولی گزرے ہیں۔ ابن العماد نے انہیں عرب کا تفتازانی قرار دیا ہے۔ نہایت خوددار آدمی تھے، کوئی حکمران ملنے آتا تو ملنے سے انکار کردیتے۔ حکومتِ وقت کی طرف سے چیف جسٹس کے عہدہ کی پیش کش ہوئی تو ٹھکرا دیا۔ [الأعلام: ۱۱۰/۴]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔شہاب الدین القسطلانیؒ اس پر علما کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أجمع الأصوليون وغيرهم على أن الشاذ ليس بقرآن لعدم الصدق لفظ القرآن عليه أو شرطه وهو التواتر." [لطائف الإشارات: ۷۲]

جمع الجوامع کے شارح جلال الدین المحلی[۲] فرماتے ہیں:

''قراءۃ شاذّہ اس لئے قرآن نہیں ہے کہ وہ متواتر نہیں ہے، (اگر یہ قرآن ہوتی تو یقیناً بذریعہ تواتر منقول ہوتی) حالانکہ قرآن دنیا کے لئے ایک عظیم معجزہ ہونے ناطے بذریعہ تواتر منقول ہونے کے لئے متعدد اسباب کا حامل ہے۔'' [حاشية العطار: ۱/۲۹۵۔۲۹۷][۱]

◉ امام شربینی رحمہ اللہ[۲] جلال الدین المحلی کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"فلو كان ما نقل آحاداً لتواتر نقله."

''اگر قراءتِ شاذّہ قرآن ہوتیں تو یقیناً بذریعہ تواتر منقول ہوتیں'' [شرح الشربيني على جمع الجوامع: ۱/۲۹۷]

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب ثبوت قرآن کے لئے تواتر ضروری ہے تو پھر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قراءۃ شاذّہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ وہ متواتر نہیں ہے۔''

نیز امام جوینی رحمہ اللہ [البرهان في أصول الفقه: ۱/۲۶۸]، امام سمعانی رحمہ اللہ [قواطع الأدلة في الأصول: ۱/۴۱۵، تحقيق: محمد حسين إسماعيل الشافعي] اور ابن حزم رحمہ اللہ نے نہایت پر زور دلائل سے قراءۃ شاذّہ کا قرآن نہ ہونا ثابت کیا ہے اور کہا کہ اگر قراءۃ شاذّہ قرآن ہوتیں تو یقیناً اس کے ماننے والے اس کی حفاظت اور آئندہ نسلوں کی طرف منتقل کرنے کے لئے اپنی تمام مساعی بروئے کار لاتے، کیونکہ قرآن' عظیم معجزہ، اسلام کے تمام اصولوں اور قوانین کا منبع اور اہل اسلام کے لئے سرمایۂ حیات ہونے کے ناطے اسی کا مقتضی تھا۔

زیدیہ کا موقف بھی یہی ہے کہ جو چیز بطریقِ آحاد منقول ہے، وہ یقیناً قرآن نہیں ہے۔

[البحر الزخار: ۱/۱۱۶۰، أحمد بن يحيىٰ بن المرتضىٰ]

پھر دورِ عثمان رضی اللہ عنہ میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ قرآن صرف ان دوگتوں کے درمیان ہے، اس کے علاوہ جو کچھ تھا، قرآن سے الگ کردیا گیا تھا۔ آج چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اسکے ایک حرف پر بھی کسی نے انگشت نمائی نہیں کی اور اعدائے اسلام ہزار ہا کوششوں کے باوجود بھی اس میں ذرا بھر تحریف ثابت نہیں کرسکے۔

اس کے علاوہ مذاہب اربعہ کے تمام فقہا، مفسرین اور اصولیین اس بات پر متفق ہیں کہ نماز میں قراءتِ شاذّہ کی تلاوت جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز میں قرآن کے علاوہ کسی چیز کی تلاوت بطور قرآن جائز نہیں اور ایسا شخص جو قراءۃ شاذّہ کو قرآن سمجھتا ہے، اس کے متعلق علمانے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے اور اس وقت تک سخت سزا دی جائے، جب تک کہ وہ اپنے اس موقف سے رجوع نہ کرلے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ فصل میں مذاہب اربعہ اور دیگر مکاتبِ فکر کی آراء کی روشنی میں پیش کریں گے۔ یہاں مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ علمائے امت کا نماز

---

① یہ دراصل جمع الجوامع کی شرح از جلال الدین محلی پر حسن العطار کا حاشیہ ہے۔

② عبد الرحمن بن محمد بن أحمد الشربيني (ت ۱۳۲۶ھ) شافعیہ کے فقیہ اور اصولی تھے، نہایت متقی اور زاہد آدمی تھے، اصول فقہ میں تقریر علی جمع الجوامع اور بلاغہ میں فیض الفتاح ان کی معروف کتب ہیں۔ [الأعلام: ۶/۲۳۰]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کوممنوع قرار دینا اور قراءۃ کی تلاوت پر اصرار کرنے والے کیلئے انتہائی سخت رویہ اختیار کرنا قراءۃ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور ابن مقسم اور ابن شنبوذ کا واقعہ قراۃ شاذّہ کے قران نہ ہونے پر امت مسلمہ کے اجماع کی روشن مثال ہے۔ اس وقت بغداد عالم اسلام کا مرکز اور دارالخلافہ تھا، وہاں حکومت کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا اور حکومت نے وقت کے تمام فقہا، قرا وغیرہ کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو تمام علما وفقہا نے متفقہ طور پر قراءۃ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے کا فیصلہ دیا اور واضح کیا کہ قراءات شاذّہ کی تلاوت حرام، ان کو قرآن سمجھنے والا اور ان کی تلاوت کرنے والا شخص سخت سزا کا مستوجب ہے۔ یقیناً مرکزِ اسلام میں حکومتی سطح پر ہونے والے اس دور کے جید فقہا، علما اور قرا کے اس فیصلہ کی خبر پورے عالم اسلام میں پہنچی لیکن لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی مملکت اسلامیہ کے کسی گوشہ سے اس فیصلہ کے خلاف ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ اجماع کی اس سے بڑی مثال شاید پیش نہیں کی جا سکتی۔

مذکورہ تمام حقائق واضح دلیل ہیں کہ قراءۃ شاذّہ عرضۂ اخیرہ سے لے کر آج تک نہ کبھی قرآن تھی اور نہ آج ہے، لہٰذا مستشرقین کا قراءۃ شاذّہ کی بنیاد پر قرآن میں اختلاف ثابت کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

ابن مقسم، ابن شنبوذ اور ابن دقیق العید رحمہ اللہ کے نظریات کا جائزہ

گزشتہ صفحات میں پیش کئے گئے تمام امت کے اجماعی موقف کے خلاف ابن مقسم، ابن شنبوذ اور ابن دقیق العید نے قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا تھا۔ زیر نظر سطور میں ان کے نظریات اور دلائل کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد تفصیل سے اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

ابوبکر ابن مقسم العطار رحمہ اللہ (ت ۳۵۴ھ یا ۳۶۲ھ) کا نظریہ

یہ شخص اپنے دور میں کوفیوں کی نحو کا سب سے بڑا حافظ اور مشہور، غریب و شاذ قراءات کا بہت بڑا عالم تھا۔ علوم القرآن پر اس نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ قراءات کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءۃ جو مصحف اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، اس کی قراءت جائز ہے، خواہ اس کی کوئی سند نہ بھی ہو۔ [غاية النهاية: ۱۲۴/۲] تمام علما نے ان کے اس نظریہ کو باطل اور خودساختہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ابو طاہر بن ابو ہاشم فرماتے ہیں:

"بدعة أضل بها عن قصد السبيل ." [النشر: ۱۷/۱]

''یہ ایسی بدعت ہے، جس نے اس شخص کو راہ راست سے گمراہ کر دیا ہے۔''

اپنے اس باطل نظریہ کی بنیاد پر یہ شخص قراءات میں دور ازکار وجوہ کا استخراج کرتا تھا۔ اور تصحیف کلمات کی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو اس نے آثار سے قطع نظر محض اپنی رائے اور اجتہاد سے اختیار کر رکھی تھیں، حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ کسی نے انہیں پڑھا ہے اور نہ روایت کیا ہے۔ اس کی خودساختہ قراءات کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ ﴿فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ کو أنجباء [یوسف: ۸۰] پڑھتا تھا۔

اس کی یہ قراءۃ اجماع کے مخالف اور معنوی لحاظ سے بھی مضحکہ خیز ہے، کیونکہ ناامیدی کے ساتھ نجات کی کوئی بھی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ مصطفیٰ صادق الرافعی اس قاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کا شمار قراءات کے بہت بڑے علما میں سے ہوتا تھا، پھر اس کے ذہن میں یہ سودا سمایا کہ وہ بھی کوفہ کے ائمۂ نحاۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کم نہیں ہے۔یہی احساس تعلّی اس کے بگاڑ کا سبب بنا اور اس نے اجماع کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی قراءات کیلئے نئی نئی وجوہ اختراع کیں، اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اس کو یہ احمق 'أنجباء' پڑھتا تھا اور اس طرح اس نے عربی کی فصیح و بلیغ اور خوبصورت ترین وجہ کو ترک کر کے منفرد قسم کی وجہ ایجاد کی اور اس نے نہیں سوچا کہ وہ کیا کررہا ہے!''[إعجاز القرآن والبلاغة النبوية: ۱۴۷]

جب اس کے اس باطل نظریہ کی خبر اہل علم کو پہنچی تو انہوں نے اسے زبردست تنقید کا نشانہ بنایا، آخرکار معاملہ حاکم وقت تک پہنچا۔حاکم وقت نے اسے طلب کیا اور علما کی ایک مجلس بلائی پھر اسے مجلس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے اس کے اس نظریہ کی صحت پر دلیل طلب کی گئی ،لیکن یہ شخص کوئی قابل ذکر قوی یا ضعیف دلیل بھی پیش نہ کرسکا۔ چنانچہ اسے سخت سزا سے دوچار کرنے کا فیصلہ ہوا، آخر اس نے قرا اور فقہا کے سامنے اپنے اس نظریہ سے توبہ کی، پھر اس کی توبہ کا محضر نامہ لکھا گیا جس پر تمام حاضرین نے دستخط کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اپنے اس نظریہ اور خود ساختہ قراءات سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔[معجم الأدباء: ۱۵۴/۸]

اور بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نیک لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ تمام لوگ مسجد میں قبلہ رو ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں،لیکن ابن مقسم کعبہ کی طرف پیٹھ کیے کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔اس واقعہ کو علما نے اس کے سیدھے راستے سے بھٹک جانے اور امت کے اجماع سے انحراف سے تعبیر کیا ہے۔

مذکورہ تاریخی حقائق ثابت کرتے ہیں کہ یہ نظریہ اور اس بنیاد پر اس کی ایجاد کردہ قراءات اس کے اپنے ذہن کی اختراع تھیں، جس کی تہہ میں نام ونمود، حصولِ جاہ اور احساس برتری کا مرض کارفرما تھا۔امت نے اسے باطل کی اتباع اور حق سے انحراف قرار دیا اور کسی نے بھی اس کے نظریہ کو قبول نہ کیا۔آخر یہ نظریہ اس کی موت کے ساتھ ہی دفن ہوگیا، کیونکہ قراءات کی اصل نقل ہے،لیکن اس کے نظریہ کی بنیاد عقل ورائے اور ذہنی مرض تھا۔ یہ تاریخی حقیقت قراءاتِ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے پر ساری امت کے اجماع کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ابن شنبوذ اور اس کا نظریہ

ابن شَنَبُوذ یا ابن شَنَّبُوذ [غاية النهاية: ۱۲۵/۲] چوتھی صدی ہجری کا ایک بہت بڑا قاری تھا۔یہ شخص رسمِ عثمانی کے مخالف قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کو جائز سمجھتا تھا۔[النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة: ۲۴۸/۳، جمال الدين

① ابن شنبوذ نے دورانِ تفتیش درج ذیل رسمِ مصحف کے خلاف قراءات کا اقرار کیا تھا، جن کی یہ تلاوت کیا کرتا تھا:

- «فامضوا» ﴿إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [الجمعه: ۹]
- ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ ((صالحة)) غَصْبًا﴾ [الكهف: ۷۹]
- ﴿كَ ((الصوف)) الْمَنفُوشِ﴾ [القارعة: ۵]
- ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ (وقد) تَبَّ﴾ [لهب: ۱]
- ﴿فَالْيَوْمَ ((نَنحِّيكَ)) بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾ [يونس: ۹۲]
- ﴿وَتَجْعَلُونَ ((شكركم)) أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ [الواقعة: ۸۲]
- ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ○ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ ((والذكر والأنثى)) [الليل: ۳]
- ((فقد كذب الكافرون)) ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ [الفرقان: ۷۷]
- ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ وَفَسَادٌ﴾ ((عريض)) [الأنفال: ۷۳]
- ﴿فَلَمَّا خَرَّ ((تيقنت الإنس أن الجن)) لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا﴾ [سبا]

معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار: ۲۲۳/۱،۲۲۴- غاية النهاية: ۵۵/۲

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يوسف بن تغري بردي الأتابكي (ت۸۷۴ھ)] اس باطل نظریہ کی بنیاد پر اس نے کچھ حروف اختیار کر لئے، جن کو وہ محراب میں پڑھتا تھا، لوگوں کو ان کی تعلیم دیتا تھا اور اس پر لوگوں سے مناظرے کرتا تھا۔ یہ وہ قراءات تھیں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی تھیں اور رسمِ مصحف کے خلاف تھیں۔ [1] [تاریخ بغداد: ۲۸۰/۱] تو ابوبکر الانباری اور کئی دیگر علما نے اس کے رد میں کتب تصنیف کیں۔

چنانچہ جب اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا اور امت میں فتنہ کا اندیشہ پیدا ہوا تو علما نے اس کا سخت رد کیا۔ امام ابن مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے یہ معاملہ حاکمِ وقت کے سامنے پیش کیا۔ حاکم وقت نے اپنے ایک وزیر محمد بن مقلہ کو یہ مسئلہ حل کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ چنانچہ ۳۲۳ھ ماہ ربیع الآخر کے شروع میں ابن شنبوذ کو اس الزام کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۷/ربیع الاول کو محمد بن مقلہ نے ابن شنبوذ کے معاملہ کو حل کرنے کے لئے بغداد کے علما، فقہا اور قراء کا ایک اجلاس بلایا، [معرفة القراء الكبار: ۲۷۸/۱۔۲۷۹] جس میں اس دور کے سب سے بڑے عالم اور مفتی ابوبکر الابہری [الشفاء بالتعريف بحقوق المصطفىٰ: ۲۶۶/۲، العلامة القاضي أبوالفضل عياض بن موسىٰ بن عياض (ت۵۴۴ھ)] عمر بن محمد بن یوسف القاضی اور امام القراء ابن مجاہد [معرفة القراء الكبار: ۲۲۴/۱، ۲۲۵] بھی موجود تھے۔

اس کے بعد مجلس کی کاروائی کا آغاز ہوا، علما نے دلائل سے اس کے نظریہ کو غلط ثابت کیا، لیکن ابن شنبوذ نے اپنے موقف سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا اور مقابل علما کو کم علم ہونے کا طعنہ دیا اور کہنے لگا کہ تمہیں حصول علم کیلئے سفروں کی وہ مشقتیں برداشت نہیں کرنا پڑیں جو مجھے کرنا پڑی ہیں۔ آخر بغداد کے ان تمام علما نے متفقہ طور پر زبردستی اسے اس کے مذہب سے رجوع کروانے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ اس نے کوڑوں کی سخت سزا اٹھانے کے بعد اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور پھر ابن میمون کی تحریر سے اس کے رجوع کا یہ محضر نامہ لکھا گیا:

يقول محمد بن أيوب المعروف بابن شنبوذ:

”وقد كنت أقرأ حروفاً تخالف ما في مصحف عثمان بن عفان -رضي الله عنه- المجمع عليه، والذي اتفق أصحاب النبي ﷺ ورضي عنهم على تلاوته، ثم بان لي أن ذلك خطأ فأنا منه تائب وعنه مقلع وإلى الله بريء، إذ كان مصحف عثمان هو الحق الذي لا يجوز خلافه، ولا أن يقرأ بغير ما فيه.“

اور اس کے بعد خود ابن شنبوذ نے اس محضر نامہ میں اپنے خط سے یہ الفاظ تحریر کیے:

”يقول محمد بن أحمد بن أيوب بن شنبوذ: ما في هذه الرقعة صحيح وهو على قولي واعتقادي وأشهد الله عز وجل وسائر من حضر على نفسي بذلك.“[معرفة القراء الكبار للذهبی: ۲۲۴/۱، ۲۲۵]

نیز اس نے یہ لکھا:

”اگر میں اس کی مخالفت کروں یا مجھ سے اس محضر نامہ کے خلاف کسی بات کا ظہور ہو تو امیر المؤمنین کے لئے میرا خون حلال ہے...“ [معجم الأدباء لياقوت الحموی: ۱۷/۱۷۱، ۱۷۲ - وفيات الأعيان: ۴۷/۳]

اس کے بعد اجلاس میں موجود ابن مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر تمام علمائے قرآن نے محضر نامہ پر لکھا کہ ابن شنبوذ نے محضر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود ہر بات کا اقرار کیا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے دستخط کئے۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وزیر ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو محافظ دستہ کے ساتھ رات کو گھر بھیجا کہ کہیں مشتعل عوام اسے قتل نہ کردیں۔ پھر دو ماہ کے لئے انہیں خفیہ طور مدائن بھیج دیا۔ اس کے بعد جب اسے واپس بلایا تو یہ عوام سے چھپ کر اپنے گھر میں داخل ہوا۔

حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی کوشش

بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو اس کی کم ظرفی کر کے اس پر سات درے لگوائے تو اس نے ابن مقلہ کے خلاف یہ بد دعا کی کہ اس کے ہاتھ کٹ جائیں اور اس کا خانہ خراب ہو۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور وہی ہوا جو اس نے بد دعا کی تھی۔ امام ابوشامہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

''میں نے ہارون بن مامون کی تاریخ میں یہ بات پڑھی کہ راضی باللہ کے دور میں ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کی وجہ سے سات درے لگائے تھے، جس پر ابن شنبوذ نے اس کے خلاف بد دعا کی کہ ''اس کے ہاتھ کٹیں، اس کا معاملہ درہم برہم ہو...'' چنانچہ اس کے بعد ابن مقلہ کو معزول کر دیا گیا اور ابن شنبوذ کے واقعہ کے ایک سال بعد اس پر مصیبت آن پڑی، وہ عتاب کا شکار اور سخت مار اور ذلت سے دوچار ہوا اور انجام کار اس کا ہاتھ اور زبان کاٹ دی گئی۔'' [حاشية الفتاوىٰ الكبرىٰ لإبن تيمية: ۳۷۵/۱]

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وزیر کے خلاف ابن شنبوذ کی بد دعا قبول ہوئی، اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، گھر برباد ہو گیا اور وہ ایک مدت تک انتہائی بری حالت میں پس زندان رہا۔'' [غاية النهاية: ۵۵/۲]

ان واقعات سے بظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ابن شنبوذ کی رائے درست تھی اور عدالت نے اس پر ظلم کیا، جبھی تو اس کی دعا قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہی تاثر پیدا کر کے ابن شنبوذ کو مظلوم ثابت کرنے اور حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس دور کی تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو ابن مقلہ کی معزولی وعتاب اور ابن شنبوذ کی دعاؤں کے درمیان کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جو شخص اسلام کا سرچشمہ اور اللہ کی کتاب میں پیدا ہونے والے ایک فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے اقدام کرے، اس دور کے علما، فقہا اور قرا کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی ہم نوا ہو اور وہ کسی ایسے شخص کی بد دعا کا شکار ہو جائے جو اجماعِ امت کے خلاف ایک باطل نظریہ کا پیروکار تھا۔ نیز یہاں اس بات کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ابن شنبوذ کو اس انجام تک پہنچانے والے تو بغداد کے علما وفقہا تھے اور اس کی سزا کا فیصلہ کرنے والے تو علما وقرا تھے، وزیر نے تو اس سزا کو نافذ کروایا ہے تو پھر یہ وزیر ہی بد دعا کا شکار کیوں ہوا؟ علما پر اس کی زد کیوں نہیں پڑی؟ جبکہ بغداد کے اصل 'ظالم' تو علما تھے۔ تو معلوم ہوا کہ ابن مقلہ پر حکومت کے عتاب کو ابن شنبوذ کی بد دعا کا نتیجہ قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

اس دور کے حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس عتاب کی حقیقی وجہ سیاسی کشمکش معلوم ہوتی ہے، عروج وتنزل وانحطاط سیاست کا لازمی حصہ ہیں، کبھی تخت اور کبھی تختہ اور کبھی جیل کی کال کوٹھڑیوں کے بعد دوبارہ آن بان کے ساتھ حکومت کی زمامِ کار مل جاتی ہے۔ دورِ حاضر کی سیاست میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ اور ابن مقلہ بھی درحقیقت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاست کے اسی کھیل کا شکار ہوا تھا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ۳۱۶ھ میں ابن شنبوذ کے واقعہ سے سات سال پہلے خلیفہ مقتدر کے دور میں ابن مقلہ وزارت کے منصب پر فائز ہوئے اور خلیفہ کا قلمدان انہیں ملا، لیکن صرف دو مہینہ کے بعد ہی اسے اس کے گھر میں قید کر دیا گیا اور ۳۱۸ھ میں یہ شخص کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ دجلہ کے کنارے مقام 'زاہر' میں اس کا شاندار محل، جس پر اس نے ۲ ہزار دینار خرچ کئے تھے، جلا دیا گیا اور وزارت سے پہلے یہ جن گھروں میں مقیم تھا، وہ سب بھی جلا دیئے گئے اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ لوگوں نے لوٹ لیا، [صلة تاريخ الطبري: ۶۹/۲ ، عريب بن سعد القرطبي] لیکن پھر زمانہ نے کروٹ لی اور ابن مقلہ دوبارہ خلیفہ کا منظور نظر بن گیا۔ ابن مقلہ اپنے عروج وزوال کی اس داستان کو ان اشعار میں بیان کرتا ہے:

تحالف الناس و الزمان فحيث كان الزمان كانوا
عادني الدهر نصف يوم فانكشف الناس لي و بانوا
يا أيها المعرضون عني عودوا فقد عاود الزمان

''لوگوں نے زمانے سے ایکا کر لیا ہے، چلیے ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔ آدھے دن کے لئے زمانہ میرا دشمن بنا تو وہی لوگ جو میری محبت کے گیت گاتے تھے، یکا یک چھٹ گئے۔ اے مجھ سے منہ موڑنے والو! واپس آ جاؤ! اب زمانہ واپس آ گیا ہے۔''

اب بتائیں! ابن شنبوذ کے واقعہ سے سات سال پہلے اس کے ساتھ جو یہ المناک واقعات پیش آئے، اس کی آپ کیا توجیہ کریں گے؟

اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ابن مقلہ کا انجام ابن شنبوذ کی بد دعاؤں کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس دور کی ہنگامہ خیز سیاست کا تقاضا تھا، جس نے متعدد سیاستدانوں اور وزراء کو اپنی بھینٹ چڑھایا تھا، خصوصاً ابن مقلہ جیسا شخص جو کرسیٔ وزارت کا حریص و لالچی اور اپنے مخالفین کے ساتھ بغض وعداوت کا جذبہ رکھتا تھا اور سیاست میں اس کا اہم مقام تھا اور پھر اس نے قرآن کے متعلق ایک فتنہ کا دروازہ بند کر کے پورے بغداد کی ہمدردیاں حاصل کر لیں تھیں۔ ایسے میں عموماً انسان کے حاسدین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن مقلہ بہت سی خوبیوں کا مالک انسان تھا، اس کی تحریر خوبصورتی میں ضرب المثل تھی۔ امام ثعلبیؒ نے لکھا ہے کہ:

''اس کی کتابت دنیا کی خوبصورت ترین کتابت میں سے تھی، جو دیکھتا مسحور ہو جاتا، اس وقت خوشخطی میں کوئی شخص بھی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔'' اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

''ایسے نفیس ہاتھ عموماً کاٹ دیے جاتے ہیں۔'' [ثمار القلوب في المضاف والمنسوب: ۲۱۱]

نیز عباسی دور کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس دور میں وزارت کی کرسی اور جیل کا چولی دامن کا ساتھ تھا، چنانچہ صلاح الدین المنجد نے اپنے ایک مضمون 'دورِ عباسی میں بغداد کی جیلیں' میں اس دور کی سیاست کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

'' وزارت کا انجام اکثر جیل کی کال کوٹھڑی ہوتا تھا، بہت کم ایسا ہوتا کہ کوئی شخص منصبِ وزارت پر فائز ہوا ہو، اور پھر اسے جیل کا منہ نہ دیکھنا پڑا ہو۔ کبھی وہ قتل کر دیا جاتا اور قید سے بچ جاتا اور کبھی جیل اور اس کے بعد گردن زدنی اس کا مقدر ہوتی تھی۔'' [الجمع الصوتي الأول للقرآن: ۲۳۳ ، بحواله: سجون بغداد زمن العباسيين: ۱۰۸۹]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس کی بعض لوگوں کے ساتھ سیاسی رقابت بھی تھی۔ درج ذیل واقعہ اس حقیقت کی واضح نشاندہی کرتا ہے اور لگتا ہے کہ یہی واقعہ ابن مقلہ کے عتاب کا سبب بنا۔ ابو الفدا صاحب حماۃ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مقلہ نے ابن رائق کو گرفتار کروانے کی کوشش کی ،لیکن ابن رائق اور خلیفہ راضی باللہ کے درمیان مضبوط تعلق داری تھی ،جس کی وجہ سے خلیفہ نے ابن مقلہ کو قید میں ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ابن مقلہ نے علاج کروایا اور ٹھیک ہو گیا اور حصولِ وزارت کے لئے کوشش کرنے لگا۔ یہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے قلم باندھ لیتا اور لکھتا رہتا ،لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی زبان کاٹ دینے کا حکم صادر ہوا ،چنانچہ اس کی زبان کاٹ کر اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ [الجمع الصوتي الأول للقرآن: ۲۳۰، بحواله: المختصر في أخبار البشر: ۸۵/۲]

یہ تمام تاریخی حقائق صاف بتاتے ہیں کہ ابن مقلہ کے معتوب ہونے کا سبب ابن شنبوذ کی بددعا نہیں تھی، بلکہ ابن رائق کے ساتھ دشمنی مول لینا جیل جانے کا سبب ہوا۔ پھر اس نے زورِ قلم کے زور سے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کروانے کی کوشش کی تو دشمنوں اور حاسدوں کو اس کی یہ ادا بھی پسند نہ آئی اور خوشخطی کی اعلیٰ مثالیں رقم کرنے والا نفیس ہاتھ بدن سے جدا کر دیا گیا۔ امام ثعالبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو وہ اس کو دیکھ کر روتا تھا اور ان الفاظ میں نوحۂ غم کرتا تھا:

''اس ہاتھ سے میں نے تین دفعہ خلافت کی خدمت انجام دی۔ اس کے ساتھ دو دفعہ قرآن لکھا اور آج اس طرح کاٹ دیا گیا، جس طرح چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔'' [ثمار القلوب في المضاف والمنسوب: ۲۱۱]

اور پھر اسے یہ داستانِ ظلم لوگوں کو سنانے سے روکنے کے لئے اس کی زبان بھی کاٹ دی گئی۔ عباسی دور میں ایک ابن مقلہ کی ہی مثال نہیں ہے، بلکہ اس دور کی پوری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ خاندان برامکہ اور بنوعباس کا نہایت معتمد خاص مختار ثقفی جس خوفناک انجام سے دوچار ہوئے، اس کی ہم کیا توجیہ کریں گے؟ یہ سب سیاست کا کھیل تھا، جہاں ہزاروں میں ایک بازی ہارنے والا ابن مقلہ بھی تھا۔ ابن شنبوذ کی دعاؤں کا اس میں کوئی کردار نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے ساتھ جو ہوا بہت مناسب ہوا اور اچھا ہوا کہ دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے بعد پنپنے والے اس فتنہ کو اٹھنے سے پہلے ہی دبا دیا گیا۔

ابن دقیق العید رحمہ اللہ کا نظریہ

ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ قراءات شاذّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق آحاد منقول ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قراءات کی تلاوت کی ہے، اگرچہ اس کی تعیین نہیں ہے۔ [النشر في القراءات العشر: ۱۵/۱]

ان کے اعتراضات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن دقیق العید، ابن شنبوذ اور ابن مقسم کے دلائل کا خلاصہ ذکر کرکے دلائل سے اس کا تجزیہ کیا جائے۔ بنیادی طور ان کے درج ذیل تین دلائل ہیں:

1. کسی قراءۃ شاذّہ کا صحیح سند سے ثابت ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھا ہے۔
2. نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے قراءۃ شاذّہ کو نماز میں پڑھا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسعودؓ کی قراءۃ کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔[أیضاً - مجموع الفتاویٰ:۳۹۴/۱۳]

③ مسلمان قراءۃ شاذّہ کے قرا حسن بصری رحمہ اللہ، طلحہ بن مطرف رحمہ اللہ، اعمش رحمہ اللہ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ،لیکن کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔[شرح الکوکب المنیر:۱۳۷/۲]

جواب:

ان اعتراضات کا سبب دراصل قراءۃ شاذّہ کی حقیقت سے ناواقفیت ہے۔گزشتہ صفحات میں بیان کردہ ان کی حقیقت کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو تمام اعتراضات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

☜ جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ 'رسول اللہ ﷺ نے ان قراءات کو پڑھا ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت قراءات شاذّہ زبانِ نبوت سے صادر ہوئی ہیں،لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے انہیں بطورِ قرآن ہی پڑھا ہو، بلکہ اس میں درج ذیل دو احتمال ہیں، جن کو رد نہیں کیا جا سکتا:

① بعض قراءاتِ شاذۃ کے بارے میں یہ امکان موجود ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت کے دوران کسی آیت یا لفظ کی تفسیر کی ہو اور سننے والے صحابی رضی اللہ عنہ نے اسی پیرائے میں اسے بطورِ قرآن نقل کر دیا ہو، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مصاحف میں تفسیری حواشی بھی نقل کر رکھے تھے اور یہ ممکن ہے کہ ان کے شاگردوں نے ان تفسیری کلمات کو بطورِ قراءۃ نقل کر دیا ہو۔

② اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی قراءۃ ہو، تو اس کے بارے میں ہم یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ قراءۃ عرضہ اُخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئی تھی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جس سال آپ ﷺ نے داعیٔ اَجل کو لبیک کہا ہے، اس سال جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دو دفعہ دور کیا تھا، نیز صحیح روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ عرضہ اُخیرہ کے وقت کچھ قراءات منسوخ کر دی گئی تھیں اور عرضۂ اخیرہ سے مراد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قراءۃ ہے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ اسی عرضۂ اخیرہ کے مطابق خلفائے راشدین کے حکم اور مشورہ سے قرآن کو مصاحف میں مدون کیا گیا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع کیا تھا، تو قراءۃ شاذّہ کا قرآن میں موجود نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ قراءات عرضہ اُخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئیں تھیں ،وگرنہ یہ ضرور صحائف ابوبکر رحمہ اللہ اور مصاحف عثمان رضی اللہ عنہ میں موجود ہوتیں۔

☜ نیز یہ اعتراض کہ 'بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءات کو پڑھا ہے۔' تو اس کی وجہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے کہ بعض وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر نہیں تھے، انہیں ان قراءات کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا تھا، اس لئے وہ انہیں پڑھتے رہے، لیکن جب مصحف کی تدوین کے وقت انہیں معلوم ہوگیا کہ یہ قراءات منسوخ ہوچکی ہیں تو انہوں نے ان قراءات کی تلاوت ترک کر دی اور اس کی دلیل تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اجماع ہے کہ قرآن صرف وہی ہے جو ان دو گتوں کے درمیان ہے۔

اس حقیقت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بعض قراءات جو ان سے صحیح ثابت ہیں، لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مصحف عثمانی میں موجود نہیں ہیں، اگر وہ منسوخ نہ ہوئی ہوتیں تو کم از کم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں ضرور قرآن میں شامل کرواتے، کیونکہ وہ خود قرآن کو جمع کروا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض قراءات بھی اس میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ جمع عثمانی پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر یہ فرمایا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنی قراءات کو قرآن میں شامل نہ کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس سے مکمل اتفاق کرنا، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ان کی یہ قراءات عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئیں تھیں، اور جمع عثمانی کے بعد کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے قراءۃ شاذّہ کی تلاوت بحیثیتِ قرآن نماز میں کی ہو۔ ہاں وہ تعلیم و تعلم کیلئے انہیں ضرور پڑھتے رہے، کیونکہ ان کا حکم باقی تھا، صرف تلاوت منسوخ ہوئی تھی۔

☜ اسی طرح یہ اعتراض کہ ''بعض قراءات شاذّہ وہ ہیں، جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔''

امام کمال بن ہمام رحمہ اللہ نے اس اعتراض کو ذکر کرنے کے بعد اس کا نہایت مسکت جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''یہ قراءاتِ شاذّہ ان کے پہلے مصحف میں تھیں جو عرضۂ اخیرہ سے پہلے لکھا گیا تھا۔ جب عرضۂ اخیرہ کے وقت یہ منسوخ ہوگیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی قراءۃ کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرضۂ اخیرہ والی قراءت کو اختیار کرلیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ کوفہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس قراءۃ کو پڑھتے ہیں، وہ ان کی یہی دوسری قراءۃ ہے جو امام عاصم رحمہ اللہ سے مروی ہے اور یہی عرضۂ اخیرہ کے مطابق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محل ترغیب بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ آخری قراءۃ ہی تھی۔ امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے۔'' [التقریر والتحبیر: ۲/۲۱۵]

☜ باقی رہا یہ اعتراض کہ 'بعض تابعین انہیں نمازوں میں پڑھتے تھے' تو یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ، اعمش رضی اللہ عنہ اور ابن محیصن رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے رسمِ عثمانی کے مخالف قراءات شاذّہ کو بحیثیت قرآن نمازوں میں پڑھا ہو۔ ہاں بعض تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان قراءات کو نقل ضرور کیا ہے۔

باقی رہیں ان کی وہ قراءات جو رسمِ عثمانی کے مطابق ہیں، تو وہ زیادہ تر جمہور کی قراءۃ کے مطابق ہیں اور بعض جو اختلاف ہے، انہیں وہ اس لئے پڑھتے تھے کہ وہ انہیں سبعة أحرف کا حصہ سمجھتے تھے، لیکن ہم ان قراءات کے متعلق بالجزم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یا تو وہ قراءات ہی نہیں تھیں، بلکہ وہ رواۃ کے عدم ضبط اور سہو کا نتیجہ ہیں یا پھر وہ عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئی تھیں، اگر وہ منسوخ نہ ہوئی ہوتیں تو یقیناً ان قرا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچتیں، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ بھیجا تھا۔

☜ اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ ممکن ہے کوئی قراءۃ شاذّہ پہلے مشہور اور متواتر ہو، پھر اسے ترک کردیا گیا اور وہ شاذ ہوگئی ہو۔

امام سخاوی رحمہ اللہ اور امام جوینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ کہ اُمت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمدیہ ﷺ نے نبی ﷺ کے ہر ہر قول، فعل اور وصف کو اپنے عمل اور قول سے جس طرح اہتمام سے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا اور وہ اس میں کس قدر حریص تھے! دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال آج تک پیش نہیں کر سکی، کیونکہ اس کے پیچھے یہ عوامل کارفرما تھے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ان کو «بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً» کا حکم دیا تھا۔ انہیں قرآن کی اتباع اور اس کے سیکھنے سکھانے کی تعلیم دی تھی اور اس پر ان سے عظیم انعامات کا وعدہ کیا تھا۔ اپنے پیغمبر ﷺ کی ہر ہر ادا اور اشارۂ ابرو کو محفوظ کر دینے والے ہر دور میں لاکھوں علمائے امت کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قرآن کی کسی قراءۃ کو ترک کر دیتے اور وہ شاذ بن جاتی۔ یہ تو قرآن کا معاملہ تھا جو منبع شریعت اور تمام قوانین واصول کی بنیاد تھا، اس نے پوری دنیا کو یہ چیلنج دیا تھا کہ ایک آیت بنا کر لے آؤ، ایسا عظیم معجزہ کہ متعدد اسباب اس کے بطریق تواتر منقول ہونے پر موجود تھے، پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن کی کوئی قراءۃ ہو اور پوری امت کے ایک دو افراد کے سوا کسی کو اس کا پتہ نہ ہو؟ ہرگز نہیں! ایسا ہونا محال اور ناممکن ہے۔

[جمال القراء وكمال الإقراء: ۱/۴۸۷ - البرهان في أصول الفقه: ۱/۶۶۷ - قواطع الإدلة في الأصول: ۱/۴۱۴،۴۱۵]

اِس بحث سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قراء ات شاذّہ کی تلاوت جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ قرآن نہیں ہیں۔

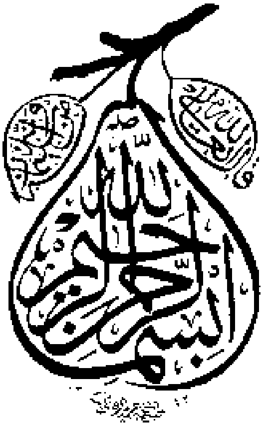

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ